ڈاکٹر عطش درانی
پروفیسر شعبہء پاکستانی زبانیں و ادب
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

پاکستانی زبانوں کا آج بھی مستعمل ایک مشترک قدیم رسم الخط

Urdu and Pakistani Languages are using Arabic script today, having different symbols for denoting their specific phonemes. An ancient common script is also in use for these Pakistani Languages called 'Landa'.

Grierson has given some details. This was also in use for Pashto and Baluchi. The Manuscripts and printed material in Punjabi, Siraiki and Sindhi is available and there is a need to find material in other languages. This script was called mercantile script as it was used by traders of Punjab, Sindh, Hyderabad and Bombay. It is still in use in the Shaikh families of Chiniot and Sargodha in Punjab and Khojas of Multan and Karachi. Some books in Multani/ Siraiki and Sindhi were also published in this script. e.g. 'New Testament' by Baptst Mission Siri Ram Pur, Sindhi epic 'Doodo Chanesar'. A journal *Sakhairi* was published in this script in 1899. Officially Landa script was derived for Hindu Sindhi in 1868 by Narain Jaggan Nath and announced by the Bombay Govt, because the Bombay govt had already announced current Arabic Sindhi script in 1852. It was understood that the Arabic script for Sindhi is a Muslim script.

A comparative study of the Landa script, at least its ten varieties, and manuscripts, and printed material in Kashmiri, Pashto and Baluchi are still to be searched.

Efforts are also made to encode Landa script for computing on UNICODE and ISO since 2009 by a Hindu Professor of History of Michigan University, USA.

اُردو اور پاکستانی زبانوں کا جدید مشترک رسم الخط عربی ہے جو ان متعدد زبانوں میں اپنے ارتقائی مراحل کے لحاظ سے اس طرح سے مستعمل ہے کہ بعض اضافی علامات ان زبانوں کے بعض مخصوص صوتیوں کے اظہار کے لیے مختص اور دوسری زبانوں کے لیے اجنبی ہو کر رہ گئی ہیں۔ آج بھی ان کے لیے یکساں رسم الخط تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی

ہے۔ ایلنا بشیر، ڈاکٹر سرمد حسین اور راقم کی یہ کوششیں کم از کم کمپیوٹر کے حوالے سے عالمی ضابطے (UNICODE) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ [۱]

ایسا ہی ایک رسم الخط وادیء سندھ میں ازمنۂ قدیم سے مشترک طور پر رائج رہا ہے، جو آج بھی پاکستان کے مختلف علاقوں میں زیرِ استعمال ہے، مگر بہت تیزی سے متروک ہوتا جا رہا ہے۔ پنجابی میں اسے لنڈا (یعنی دم کٹا یا دم کے بغیر) کہا گیا۔ گریرسن نے اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔[۲] اس کا تقابل ''لہندا'' کے ساتھ نہ کیا جائے جو محض چند بے علم لوگوں نے سرائیکی یا ملتانی کے لیے استعمال کرنا شروع کیا تھا۔

گریرسن کی تمام تر تفصیلات کے علی الرغم دراصل یہ واحد رسم الخط ہے جو محض پنجابی نہیں دیگر پاکستانی زبانوں کے لیے بھی مستعمل رہا ہے۔ اگرچہ گریرسن نے ضمنی طور پر ملتانی اور سندھی کا ذکر بھی کیا ہے مگر دراصل یہ خط دسویں صدی عیسوی سے دس مختلف زبانوں کے لیے اس مختلف صوتی انواع کے اندراج کے لیے مستعمل رہا ہے۔ اسے تاجروں اور آڑھتیوں کا رسم الخط کہا گیا ہے جو وہ خفیہ کھاتوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔[۳] آج بھی چنیوٹ اور سرگودھا کے شیخ تاجروں اور ملتان اور کراچی کے کھوجوں کے ہاں کہیں کہیں استعمال میں ہونا اس بات کی تصدیق کرتا ہے البتہ ان کی اگلی نسلیں اس سے بیگانہ ہوتی جا رہی ہیں اور شاید بہت جلد یہ رسم الخط متروک اور اس کا استعمال ناپید ہو جائے گا۔

لنڈا کا یہ رسم الخط قدیم کشمیری رسم الخط شار دا سے ماخوذ ہے، جو دسویں صدی عیسوی میں مستعمل تھا۔ یہ کشمیر، پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے وسیع تر علاقوں میں استعمال ہوتا رہا ہے جس میں کشمیری، پنجابی، ہندی، سندھی، سرائیکی (ملتانی)، بلوچی، پشتو، پوٹھوہاری اور بہت سی مقامی بولیوں کی دستاویزات اور مسوّدات تحریر ہوتے رہے۔ سندھی کے لیے اس رسم الخط کا دوسرا نام کھوجکی، خداوادی، مہاجنی بھی رہا ہے۔ کھوجکی اسماعیلی خوجے یا خواجے تاجروں کا رسم الخط تھا جو بمبئی، کراچی اور ملتان میں تجارت کرتے رہے۔ خداوادی سندھی کا ایک رسم الخط تھا۔ انیسویں صدی میں سندھی کو پہلے عربی رسم الخط اور پھر دیوناگری رسم الخط میں لکھا جانے لگا جو مہاجنی، مارواڑی اور پنجابی مہاجنوں (سوداگروں) کے ہاں مستعمل تھا جن میں سے کچھ آج چنیوٹ اور سرگودھا میں شیخ کہلاتے ہیں۔ جٹکی (جانگلی) زبان بولتے اور اسی میں اپنے کھاتے تحریر کرتے رہے ہیں۔ آج کل یہ پاکستان اور بھارت کے مختلف علاقوں میں ذاتی یا خفیہ تجارتی حساب کتاب کے لیے زیرِ استعمال ہے۔ ۳۵ حروف کا چارٹ دیگر تقابل کے ساتھ ضمیمہ ۱ تا ۴ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

گریرسن نے اسے پنجاب کا اصل رسم الخط قرار دیا ہے۔[۴] اس کے ملتانی اور سندھی فانٹ کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۵۔ سندھی میں خداوادی اور مارواڑی کے تقابل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۶۔ سولھویں صدی میں سکھوں نے اس سے گورمکھی رسم الخط وضع کیا، خاص طور پر سکے صوتیوں کے لیے اس میں اضافے کیے گئے۔ درسی اور ادبی ضرورتوں کے لیے اس رسم الخط کو ملتانی کا نام دیا گیا۔ پسٹنٹ مشن پریس نے عیسائیت کا بہت سا تبلیغی لٹریچر اسی رسم الخط میں سرائیکی یا ملتانی کے لیے استعمال کیا۔[۵] انیسویں صدی میں یہ رسم الخط سندھی زبان کے لیے استعمال کیا گیا، لیکن بہت جلد سندھی کو مسلمانوں نے عربی رسم الخط اور بعد ازاں ہندوؤں نے دیوناگری رسم الخط میں پیش کرنا شروع کیا اور لنڈا کو بھول گئے۔ یہ تبدیلی بیسویں صدی میں سامنے آئی۔

لنڈا کے ماخذ کے طور پر براہمی اور شاردا کو اہمیت دی جاتی ہے۔ شاردا کے ساتھ لنڈا کے سندھی اور ملتانی تقابل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۷۔ بعد ازاں یہ رسم الخط گورمکھی اور دیوناگری کو جنم دینے کا سبب بنا۔ اس تقابل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ ۸۔

گریرسن نے لنڈا میں ملتانی/سرائیکی کا ایک نمونہ دیا ہے جو ضمیمہ ۹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ سری رام پور کے پسٹسٹ مشن کی کتاب کا نمونہ ملتانی لنڈا میں ضمیمہ ۱۰ پر ملاحظہ کریں۔ لنڈا کا یہ رسم الخط بائبل کے مختلف دیگر رسوم الخط میں تقابلی طور پر مشن کی اس بائبل کا نمونہ ضمیمہ نمبر ۱۱ پر ملاحظہ کرنے سے اس کے واضح خدوخال دیکھے جا سکتے ہیں۔ معیاری سندھی کے لنڈا میں نمونے کا عربی رسم الخط کے ساتھ تقابل ضمیمہ ۱۲ پر ملاحظہ کریں۔ سندھی کی رزمیہ داستان دودوچنیسر اس رسم الخط میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا سرورق ضمیمہ ۱۳ اور سندھی میں متی کی انجیل کے مطبوعہ سرورق اور صفحہ کو ضمیمہ ۱۴ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ دیوناگری، خداوادی اور سندھی لنڈا میں متون کے کچھ نمونے گریرسن نے بھی دیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱۵۔ سندھی لنڈا میں ایک دستاویز بھی اس نے مہیا کی ہے ضمیمہ ۱۶۔

ملتانی لنڈا میں پہلی مطبوعہ کتاب پسٹسٹ مشن کی انجیل یا New Testament ہی تھی جو ۱۸۱۹ء میں شائع ہوئی۔[۴] انیسویں صدی کے نصف آخر میں انگریز انتظامیہ نے سندھی کے عربی رسم الخط کا اجراء کیا[۵]۔ ملتانی کے لیے ۱۸۱۹ء سے ۱۹۱۶ء تک لنڈا کے دو مختلف انداز اختیار کیے گئے۔ دراصل یہ دو مختلف فانٹ تھے۔ پہلا فانٹ پسٹسٹ مشن نے ہری رام پور میں وضع کیا تھا۔ دوسرا فانٹ آسٹریائی کتابوں کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔ اس کے کئی نمونے گریرسن اور دیگر حوالوں میں موجود ہیں[۶]۔ سندھی میں لنڈا کے سرکاری استعمال کا پتا ۱۸۶۸ء میں بمبئی حکومت کے اعلان ہی سے چلتا ہے۔ یہ رسم الخط نرائن جگن ناتھ مہتہ ڈپٹی ایجوکیشن انسپکٹر سندھ نے خداوادی لنڈا کو بنیاد بنا کر وضع کیا تھا جو حیدرآباد کے کھوجوں/اسماعیلیوں کے ہاں مستعمل تھا۔ سرکاری طور پر اسے ہندو سندھی کا نام دیا گیا کیونکہ ۱۸۵۲ء میں بمبئی حکومت نے سندھی کے لیے عربی رسم الخط کا اعلان کیا تھا، جسے مسلم رسم الخط سمجھا گیا۔ سندھ کی رزمیہ داستانیں اس میں شائع ہونا شروع ہوئیں۔ ایک رسالہ ''سکھیری'' بھی ۱۸۹۹ء سے اس رسم الخط میں سامنے آیا۔[۷]

سندھ میں اس رسم الخط کو کئی مختلف ناموں سے پکارا گیا۔ جیسے اروڑا، بنیا، بھاٹیا، حیدرآبادی، کراڑی، خداوادی، کھوجا/کھوجکی، ہٹائی، ہٹ ونیکا، لرائی، لوہانکی، میمن، رجائی، سکار، شکارپوری، سیہونی بھمبیرا، ٹھٹھہ، وانیا، ونگائی، وانیکو۔

کمپیوٹر پر اس رسم الخط کو محفوظ کرنے کی کئی کوششیں لنڈا، ملتانی لنڈا، سندھی لنڈا، معیاری سندھی رسم الخط وغیرہ کے نام سے مشی گن یونیورسٹی امریکا کے شعبہ تاریخ سے انشومان پانڈے نے کرنا شروع کیں اور UNICODE کے ساتھ ساتھ ISO کے معیار بندی ضابطے حاصل کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ یہ کام انھوں نے ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۲ء تک متعدد تجاویز میں پیش کیا[۸]۔ یونی کوڈ پر مجوزہ حروف کے ضابطہ نمبر ضمیمہ نمبر ۱۷ پر لنڈا کے لیے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس رسم الخط کی تفصیلات، اس کی دس انواع کے تقابلی جائزے اور دیگر نمونوں کو کشمیری، پنجابی، سرائیکی، سندھی اور دیگر پاکستانی زبانوں میں تلاش کر کے خاص طور پر پشتو اور بلوچی کے نمونے محفوظ کیے جائیں اور جن تاجر برادریوں میں یہ آج بھی خفیہ کھاتوں کے لیے مستعمل ہیں، ان کے ہاں اسے قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔

مزید تحقیقات کے لیے یہ ایک اہم راستہ ہے۔

ماخذ

1. Attash Durrani, Dr., Ghost Characters: Atomization, Combination Theory (For Arabic Set), with Peer Review, Shakh-e-Zarreen, Islamabad, sep.20111, P:43.
2. Grierson, George A. 1904. "On the Modern Indo-Aryan Alphabets of North-Western India." In The *Journal of the Asiatic Society of Great Britain and Ireland*, 1904, pp.67-73.
   I. 1916. The Linguistic Survey of India. Vol. IX. Indo-Aryan Family. Central Group. Part I.
   Specimens of Western Hind? and Pañj?b?. Calcutta: Office of the Superintendent of GovernmentPrinting, India.,p.624
   II. 1919. The Linguistic Survey of India. Vol. VIII. Indo-Aryan Family. North-Western Group. Part
   III. Sindh? and Lahnd?. Calcutta: Office of the Superintendent of Government Printing, India
3. Wikipedi, Landa Scripts, http://en.wikipedia.org/wiki/La%25E1%25B9%2587%25E1 %25B8% 258D% 25C4% 2581_ scripts
4. Sirerampore Missionaries. The Holy Bible containing the Old and New Testaments translated from the originals into the Mooltani Language. Vol II - Containing the New Testament. Sirerampore: Mission Press, 1819
5. Government of the Bombay Presidency, Report of the Department of Public Instruction in the
   Bombay Presidency, for the Year 1868-69. Bombay: Education Society's Press, Byculla.
6. A: The American Bible Society. 1938. The Book of a Thousand Tongues: Being Some Account of the Translation and Publication of All or Part of The Holy Scriptures Into More Than a Thousand Languages and Dialects With Over 1100 Examples from the Text. Edited by Eric M. North. New York and London: Harper & Brothers.
   B: Bagster, Samuel. 1848. The Bible of Every Land: A history of the Sacred Scriptures in every language and dialect into which translations have been made : illustrated with specimen portions in native characters, series of alphabets, coloured ethnographical maps, tables, indexes, etc. London: Samuel Bagster and Sons.
   C: British and Foreign Bible Society. 1911. St. Matthew in Hindu Sindhi. Lahore.
7. A: Dow, Hugh. 1976. A Note on the Sindhi Alphabet. Asian Affairs, vol. 7, no. 1, February 1976, pp. 54-56.
   B: Sirishto ain likhawata (sindhi boliya jawan lipiyon). Pune: Akhil Bharatiya Sindhi Sahitya Vidvat Parishad.

C: Prinsep, James. 1837. "Review: A Grammar of the Sindhí Language, dedicated to the Right Honorable Sir Robert Grant, governor of Bombay, by W. H. Wathen, Esq." In Journal of the Asiatic Society of Bengal, vol. VI, pt. I (January to June 1837), pp. 347-354. Calcutta: Baptist Mission Press.

D: Shackle, Christopher. 1983. From Wuch to Southern Lahnda: A Century of Siraiki Studies in English. Multani: Bazm-e-Saqafat. Boivin, Michel. Photograph of the cover of a book containing the tale of Dodo Chanesar: "Le héros légendaire Dodo représenté dans un livet composé en écriture khudabadi." http://www.mboivin.fr/photos.html.

8. A: Pandey, Anshuman, 2009., Preliminary Proposal to Encode the Landa Script in ISO/IEC 10646, ISO/IEC JTC1/SC2/WG2 N3768, L2/10-013R, 2010-02-09

B: 2009., Proposal to Encode the Khojki Script in ISO/IEC 10646

C: 2010. "A Roadmap for Scripts of the Landa Family." N3766 L2/10-011R. February 9, 2010.

D: 2010a, Proposal to Encode the Sindhi Script in ISO/IEC 10646, ISO/IEC JTC1/SC2/WG2 N3871, L2/10-271, 2010-08-02

E: 2011b. "Final Proposal to Encode the Khojki Script in ISO/IEC 10646" N3978 L2/11-021. January 28, 2011. http://std.dkuug.dk/JTC1/SC2/WG2/docs/n3978.pdf

F: 2011c. "Final Proposal to Encode the Khudawadi Script in ISO/IEC 10646" N3979 L2/11-022. January 28, 2011. http://std.dkuug.dk/JTC1/SC2/WG2/docs/n3979.pdf

G: 2011d. "Preliminary Proposal to Encode the Multani Script in ISO/IEC 10646" N4027 L2/11-124. April 26, 2011. http://std.dkuug.dk/JTC1/SC2/WG2/docs/n4027.pdf

H: 2012., Proposal to Encode the Multani Script in ISO/IEC 10646, ISO/IEC JTC1/SC2/WG2 N4159, L2/12-316, 2012-09-25

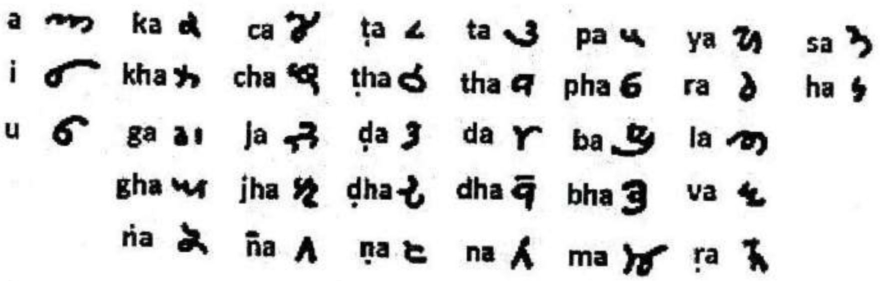

	Multani	Arabic		Multani	Arabic
A	[illegible]	ا،آ،ے	TA	[illegible]	ت
I	[illegible]	اِ،ای،ی	THA	[illegible]	تھ
U	[illegible]	اُ،او،و	DA	[illegible]	د،د
E	[illegible]	اے،آے،او	DHA	[illegible]	دھ
KA	[illegible]	ک	NA	[illegible]	ن
KHA	[illegible]	خ،کھ	PA	[illegible]	پ
GA	[illegible]	گ،گ،گ	PHA	[illegible]	پھ
GHA	[illegible]	گھ	BA	[illegible]	ب،ب
CA	[illegible]	چ،چھ	BHA	[illegible]	بھ
CHA	[illegible]	چھ	MA	[illegible]	م
JA	[illegible]	ج،ج،جھ،ز	YA	[illegible]	ی
JHA	[illegible]	ج	RA	[illegible]	ر،ڑ
NYA	[illegible]	نج	LA	[illegible]	ل
TTA	[illegible]	ٹ،ٹھ	VA	[illegible]	و
TTHA	[illegible]	ٹھ	SA	[illegible]	س،ش
DDA	[illegible]	ڈ،ڈ	HA	[illegible]	ہ
DDDA	[illegible]	ڈ،ڈر،ڈر	RRA	[illegible]	ڑ
DDHA	[illegible]	ڈھ،دھ،دھ	RHA	[illegible]	ڑھ
NNA	[illegible]	ڻ			

ضمیمہ نمبر:۱۔ اصل لنڈا رسم الخط wikipedia

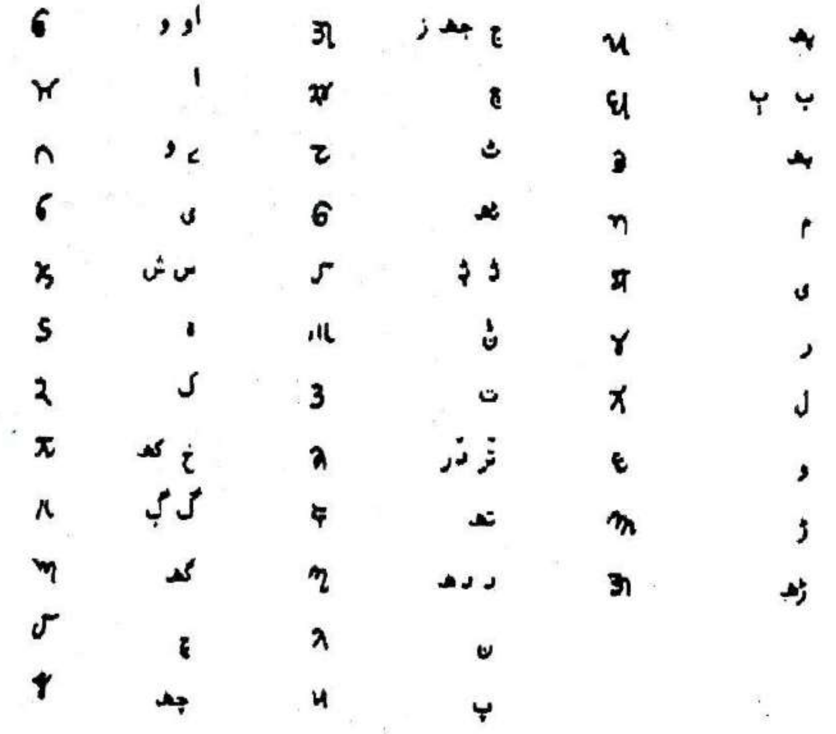

ضمیمہ نمبر:۲۔ لنڈا رسم الخط میں ملتانی / عربی رسم الخط کا موازنہ

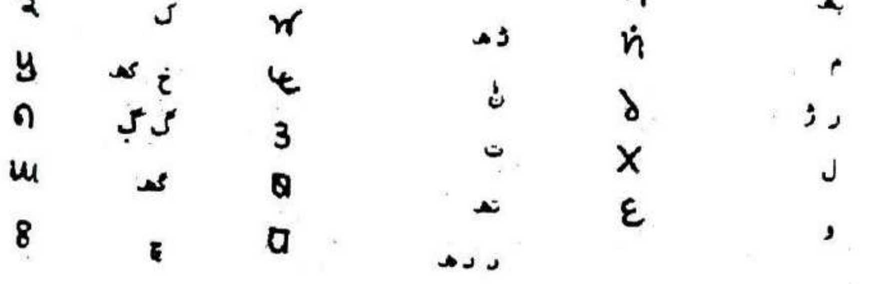

ضمیمہ نمبر:۳۔ پسٹنٹ مشن پریس رام پور میں شائع شدہ حروف

SINDH- UND MULTANSCHRIFT.

Sindh		Multan		Sindh		Multan		Sindh		Multan	
Zeichen	Wert	Zeichen	Wert	Zeichen	Wert	Zeichen	Wert	Zeichen	Wert	Zeichen	Wert
[illegible]	a	[illegible]	a	[illegible]	ṇa, ḍa			[illegible]	pha	[illegible]	pha
[illegible]	i	[illegible]	i	[illegible]	ja			[illegible]	ba	[illegible]	ba
[illegible]	u	[illegible]	u	[illegible]	tha			[illegible]	bha		
[illegible]	ka	[illegible]	ka	[illegible]	da	[illegible]	da	[illegible]	ma	[illegible]	ma
[illegible]	kha	[illegible]	kha	[illegible]	ca	[illegible]	ga	[illegible]	ya	[illegible]	ya
[illegible]	ga	[illegible]	ga	[illegible]	ta	[illegible]	ta	[illegible]	ra	[illegible]	ra
[illegible]	gha			[illegible]	tha	[illegible]	tha	[illegible]	la	[illegible]	la
[illegible]	ṭa	[illegible]	ṭa	[illegible]	da	[illegible]	da	[illegible]	va	[illegible]	va
[illegible]	ṭha	[illegible]	ṭha	[illegible]	dha	[illegible]	dha	[illegible]	sa	[illegible]	sa
[illegible]	ḍa	[illegible]	ḍa	[illegible]	na	[illegible]	na	[illegible]	ha	[illegible]	ha
[illegible]	ḍha			[illegible]	pa	[illegible]	pa	[illegible]	tra	[illegible]	tra

Die vorstehenden Schriften sind in doppelter Art beachtenswert, erstens weil sie in gleicher Weise wie die semitischen Schriften die Vokale in der Mitte der Wörter nicht schreiben, z. B. Sindhisch [illegible] nâiâlo, zweitens weil ihre Zeichen sich an die semitischen Schriften anlehnen, andererseits sich in der Devanagarischrift vorfinden, wenn diese von der Paliform abweicht; so hat [illegible] dieselbe Bedeutung auf Pehlewi-Münzen, [illegible] entspricht dem [illegible] im Aramäischen, [illegible] erinnert an die phönikische Form [illegible], wie das phönikische [illegible]. Den von den Inschriftformen abweichenden Devanagarizeichen [illegible] *ka* entspricht Multan [illegible], dem [illegible] *kha* (Inschrift [illegible]) entspricht Sindh [illegible] *gha*, [illegible] kann ebensowohl von der Inschrift [illegible], wie von Sindh [illegible] *ga* abstammen, dem [illegible] *ṭha* entspricht Sindh [illegible] *ṭha*, dagegen Inschrift [illegible] *ṭha* dem Devanagari [illegible] *ṭa*, Devanagari [illegible] hat seine Analogie nur in Sindh [illegible] (dagegen Inschrift [illegible] *ga*), ebenso [illegible] Sindh [illegible] (Inschrift [illegible]), [illegible] *p*, Sindh [illegible] (Inschrift [illegible]).

Die auffallenden Abweichungen der beiden Schriften von Sindh und Multan beweisen, dass von einer einfachen Entlehnung keine Rede sein kann, denn wir finden Sindh [illegible] *ṭa* als Multan [illegible] *ra*, Sindh [illegible] *tha* als Multan [illegible] *pha*, dagegen befindet sich Multan [illegible] *ṭha* in Übereinstimmung mit Sindh [illegible] *ṭa*.

Mit Rücksicht auf die Einwanderung der arischen Stämme von Norden liegt die Vermuthung nahe, dass die vorstehenden Schriften des nördlichen Indiens den Grundstock der vedischen Schrift abgaben. Durch die Herrschaft der magadhischen Schrift während der Zeit, wo in ganz Vorderindien der Buddhismus herrschte, wurde die heimische Schrift in den Schatten gestellt. Man zog die fremde Schrift wegen ihres Reichthums an Zeichen und wegen ihrer festen Schreibregeln vor. So kam es, dass die heimische Schrift, welche sich trotzdem im Volke erhielt, zu den gelehrten Werken nicht verwendet und diesfalls die Devanagarischrift vorgezogen wurde.

ضمیمہ نمبر:۴۔ Linguistic Survey of India میں لنڈا رسم الخط

ضمیمہ نمبر:۵۔لنڈا: ملتانی اور سندھی فانٹ (Faulmann 1880a:121)

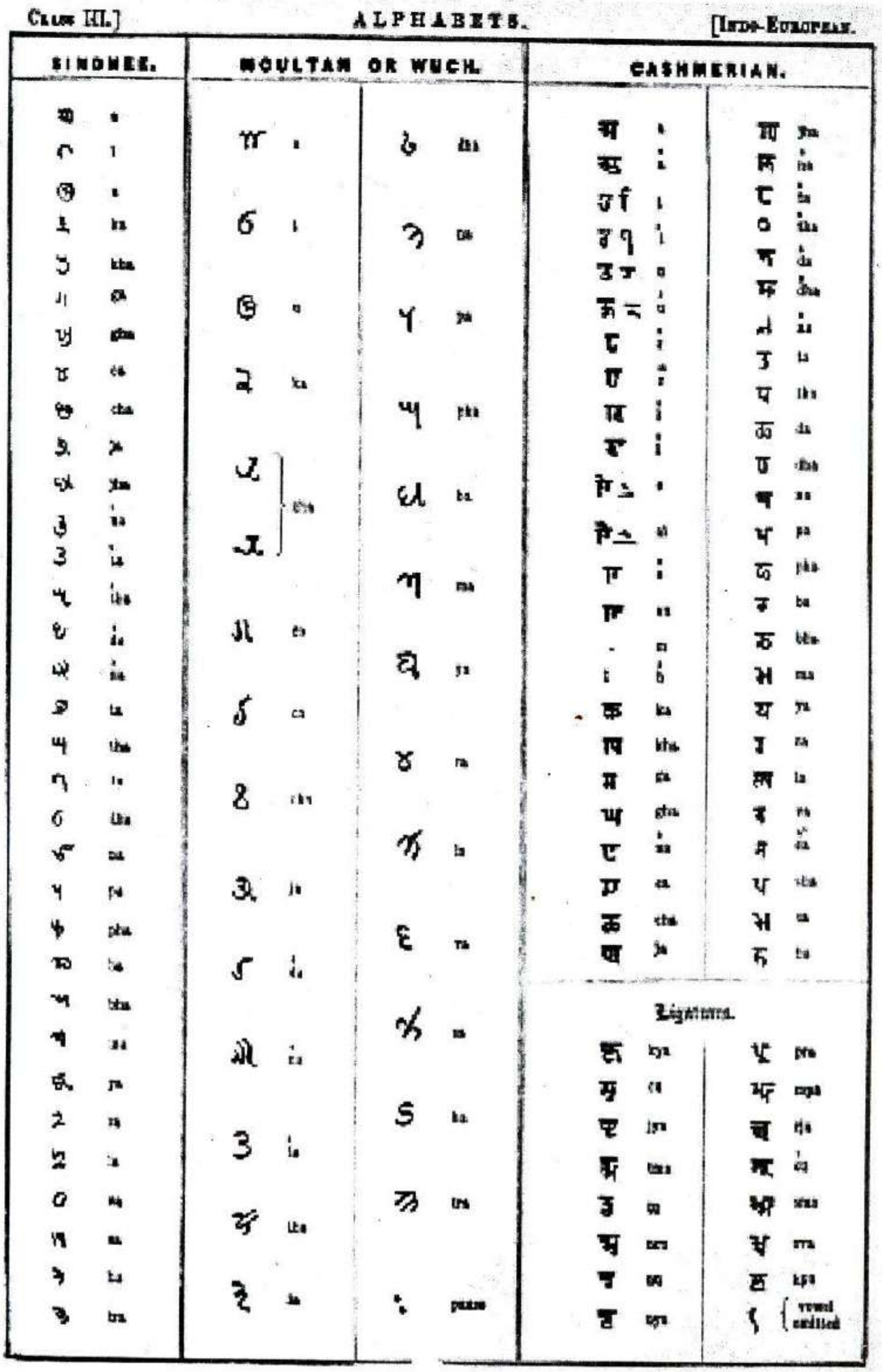

ضمیمہ نمبر:ا۔ اصل لنڈا رسم الخط wikipedia

	Multani	Khudawadi	Khojki	Gurmukhi	Devanagari
KA	𑊄	𑊺	𑈈	ਕ	क
KHA	𑊅	𑊻	𑈉	ਖ	ख
GA	𑊆	𑊼	𑈊	ਗ	ग
GGA	—	𑊽	𑈋	—	ॻ
GHA	𑊈	𑊾	𑈌	ਘ	घ
CA	𑊊	𑋀	𑈍	ਚ	च
CHA	𑊋	𑋁	𑈎	ਛ	छ
JA	𑊌	𑋂	𑈏	ਜ	ज
JJA	𑊍	𑋃	𑈐	—	ॼ
JHA	—	𑋄	—	ਝ	झ
NYA	𑊏	𑋅	𑈑	ਞ	ञ
TTA	𑊐	𑋆	𑈓	ਟ	ट
TTHA	𑊑	𑋇	𑈔	ਠ	ठ
DDA	𑊒	𑋈	𑈕	ਡ	ड
DDDA	𑊓	𑋉	𑈛	—	ॾ
DDHA	𑊔	𑋊	𑈖	ਢ	ढ
NNA	𑊕	𑋋	𑈗	ਣ	ण
TA	𑊖	𑋌	𑈘	ਤ	त
THA	𑊗	𑋍	𑈙	ਥ	थ

	Multani	Khudawadi	Khojki	Gurumukhi	Devanagari
DA	𑊗	𑋎	𑈛	ਦ	द
DHA	𑊘	𑋏	𑈝	ਧ	ध
NA	𑊙	𑋐	𑈞	ਨ	न
PA	𑊚	𑋑	𑈟	ਪ	प
PHA	𑊛	𑋒	𑈠	ਫ	फ
BA	𑊜	𑋓	𑈡	ਬ	ब
BBA	—	𑋔	𑈢	—	ॿ
BHA	𑊝	𑋕	𑈣	ਭ	भ
MA	𑊞	𑋖	𑈤	ਮ	म
YA	𑊟	𑋗	𑈥	ਯ	य
RA	𑊠	𑋘	𑈦	ਰ	र
LA	𑊡	𑋙	𑈧	ਲ	ल
VA	𑊢	𑋚	𑈨	ਵ	व
SHA	—	𑋛	—	ਸ਼	श
SSA	—	—	—	—	ष
SA	𑊣	𑋜	𑈩	ਸ	स
HA	𑊤	𑋝	𑈪	ਹ	ह
LLA	—	—	𑈫	ਲ਼	ळ
RRA	𑊥	𑋞	—	ੜ	(ड़)
RHA	𑊦	—	—	—	(ढ़)

ضمیمہ نمبر:۲۔لنڈا رسم الخط میں ملتانی / عربی رسم الخط کا موازنہ

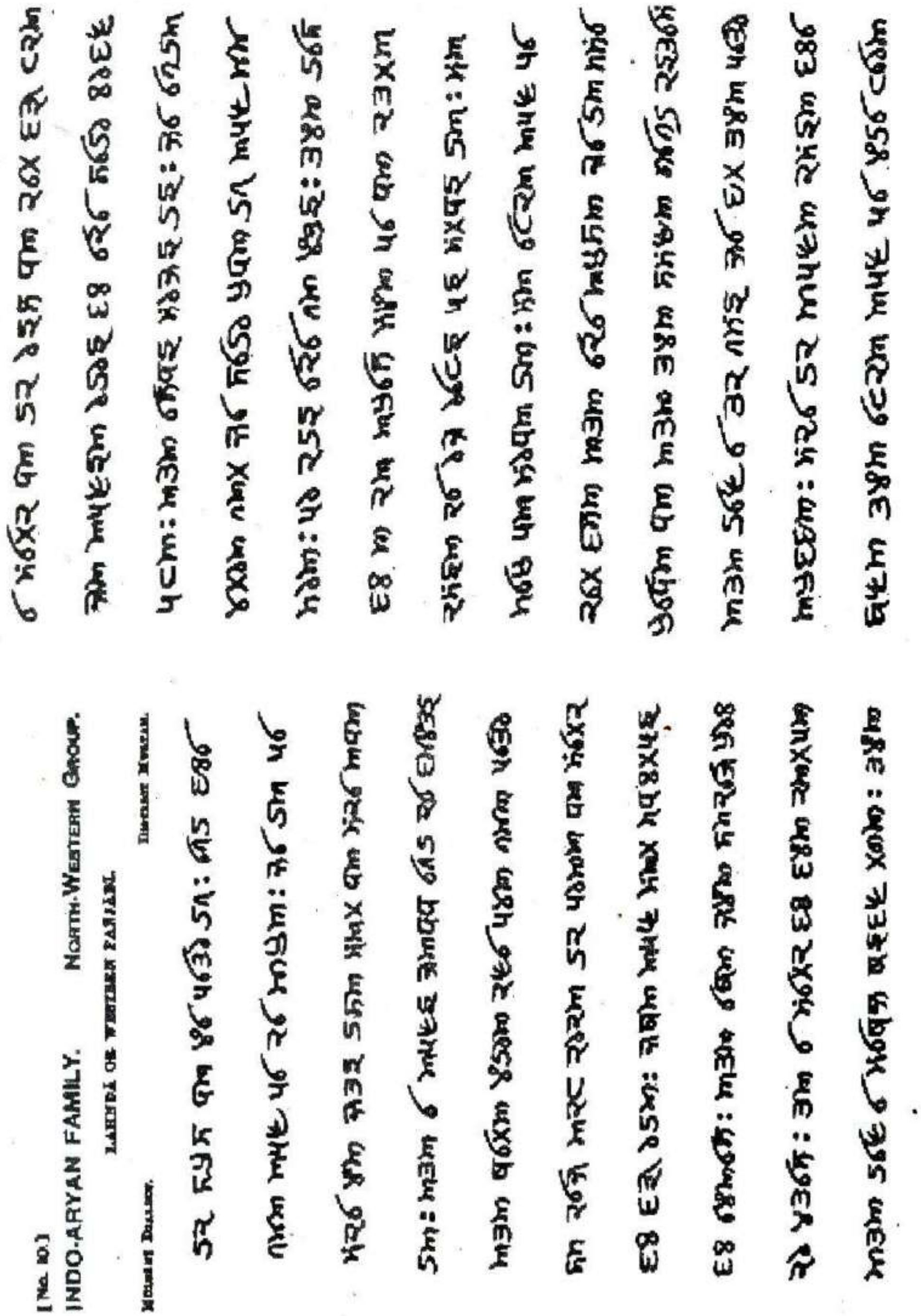

ضمیمہ نمبر:۳۔ پسلٹ مشن پریس رام پور میں شائع شدہ حروف

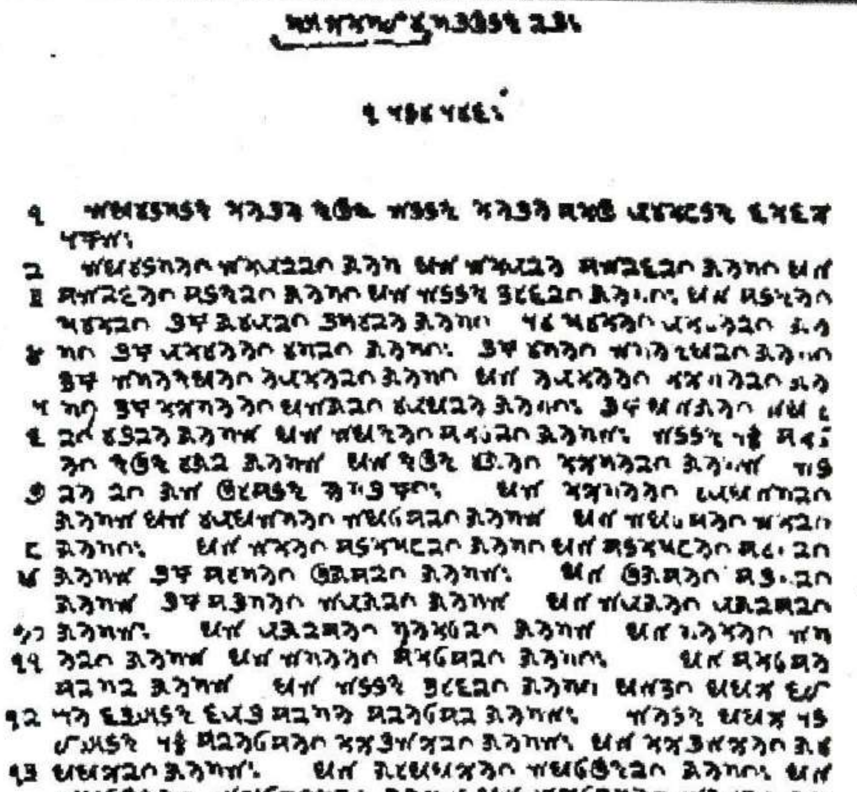

Watch. A

ضمیمہ نمبر:۴۔ Linguistic Survey of India میں لنڈا رسم الخط

ضمیمہ نمبر:۵۔ لنڈا: ملتانی اور سندھی فانٹ (Faulmann 1880a:121)

LADAKHI 504

Tibetan characters

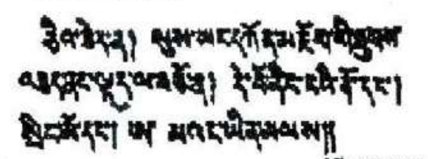

Mk. 3:35; 1909

Spoken in eastern Kashmir, near the borders of Tibet, northern India. First publication, St. Mark's Gospel in 1905 at Leh, Ladakh; tr. by Rev. A. H. Francke of the Moravian Mission; lithographed by the BFBS, Calcutta, 1908.

LAEWOMBA 505

(No specimen available.)

Spoken on the Markham River, New Guinea. First publication, a reader containing Scripture stories in 1917 at Logaweng; tr. by K. Panzer.

LAHNDA: Hindko 506

Persian characters

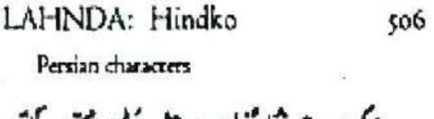

Spoken by about 800,000 people in Peshawar and Hazara, North West Frontier Province, India. First publication, St. John's Gospel in 1930 at Lahore by the BFBS; tr. by Miss C. L. Robertson of the Women's Industrial Mission and two native pastors.

LAHULI: Bunan dialect 509

Tibetan characters

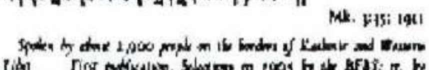

Mk. 3:35; 1911

Spoken by about 2,000 people on the borders of Kashmir and Western Tibet. First publication, Selections in 1905 by the BFBS; tr. by Rev. A. W. Heyde. St. Mark's Gospel, 1911, at Herrnhut by the BFBS, tr. by Rev. A. H. Francke, of the Moravian Mission.

LAHNDA: Multani 507

Landa characters

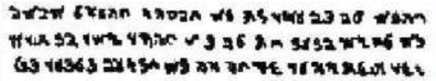

1819

Persian characters

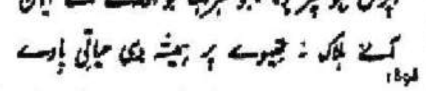

1898

Spoken in the western Punjab, India. First publication, the New Testament in Landa characters in 1819 at Serampore by the Mission Press, tr. by the Serampore missionaries (See No. 87). Persian characters. St. Mark's Gospel, BFBS, Lahore, 1888; tr. by A. Jukes of the CMS; St. Matthew's, St. Luke's and St. John's Gospels, 1898. CP: BFBS.

LAHU 508

Awlawn ko' leh: hka: yon ve: chaw: hka: pg'e, chaw: ya' o' ve: awhkaw: lo: co: ti, ha: ti, g'a: tu, ve: awlawn yo:. G'ui, sha: Ya' hpu: hta' yon ve: chaw: hui: hka: pg'e, hu, kui, she' kui lo: ma' g'a: ga, co: ti, ha: ti, hta' g'a: tu,. G'ui, sha: leh:, yaw' lo: te' g'a' ti' Ya' hpu: hta' ti' kai: hta' hka: ga, myigui, ya' hta' yaw' ha' ve: yo:. Myi gui, ya' hta' ciyan tu, G'ui, sha: leh: yaw' Ya' hpu: hta' myi gui, hko' pen: la' ve: ma' be'. Myi-gui, ya' te' hpa yaw' hta' pa: taw; myi co yu kui lo: g'a: ga, tu, yaw' pen: la' ve: yo:. Yaw' hta' yon ve: chaw: hui:, vin'ba' ciyan ve: hta' ma' g'a: hkan. Ma'yon ve: chaw: hui:, G'ui, sha: lo: Ya' hpu: te' g'a: ti' awmeh: hta' ma' yon ve: pa: taw:, chi' beu' vin'ba' ciyan ve: hta' g'a hkan ve: yo:. Vin'ba' ciyan ve: hta' g'a: hkan ve: aw lawn leh: awg'eu' ba: leh: chi: myigui, hko' lo' e: la ve:, myi gui, ya' leh: awg'eu' ba: ve: hta' akeh' leu leh: na' bo' ve: hta' yaw' hui: ni: ma: hkaw: caw' ve: yo:. Awlawn ko'leh: yaw'hui: hka: te: ve: kan

Jn. 3:15–19

Spoken by about 60,000 people in the southern Shan States near Keng-tung, Burma, and in Yunnan, China. Reduced to written form by Dr. H. H. Tilbe, American Baptist Foreign Mission Society. First publication, St. Mark's Gospel in 1924 at Rangoon, by the American Baptist Mission Press; tr. by J. H. Telford of the ABFMS, with native assistants. New Testament, 1932.

Figure 6: A few lines from the *New Testament* printed in Multani (from The American Bible Society 1938: 202.) A specimen of the text is given here in Figure 4.

ضمیمہ نمبر:٦۔ لنڈا: ملتانی، خداوادی اور مارواڑی کا تقابل (Prinsep 1837:352)

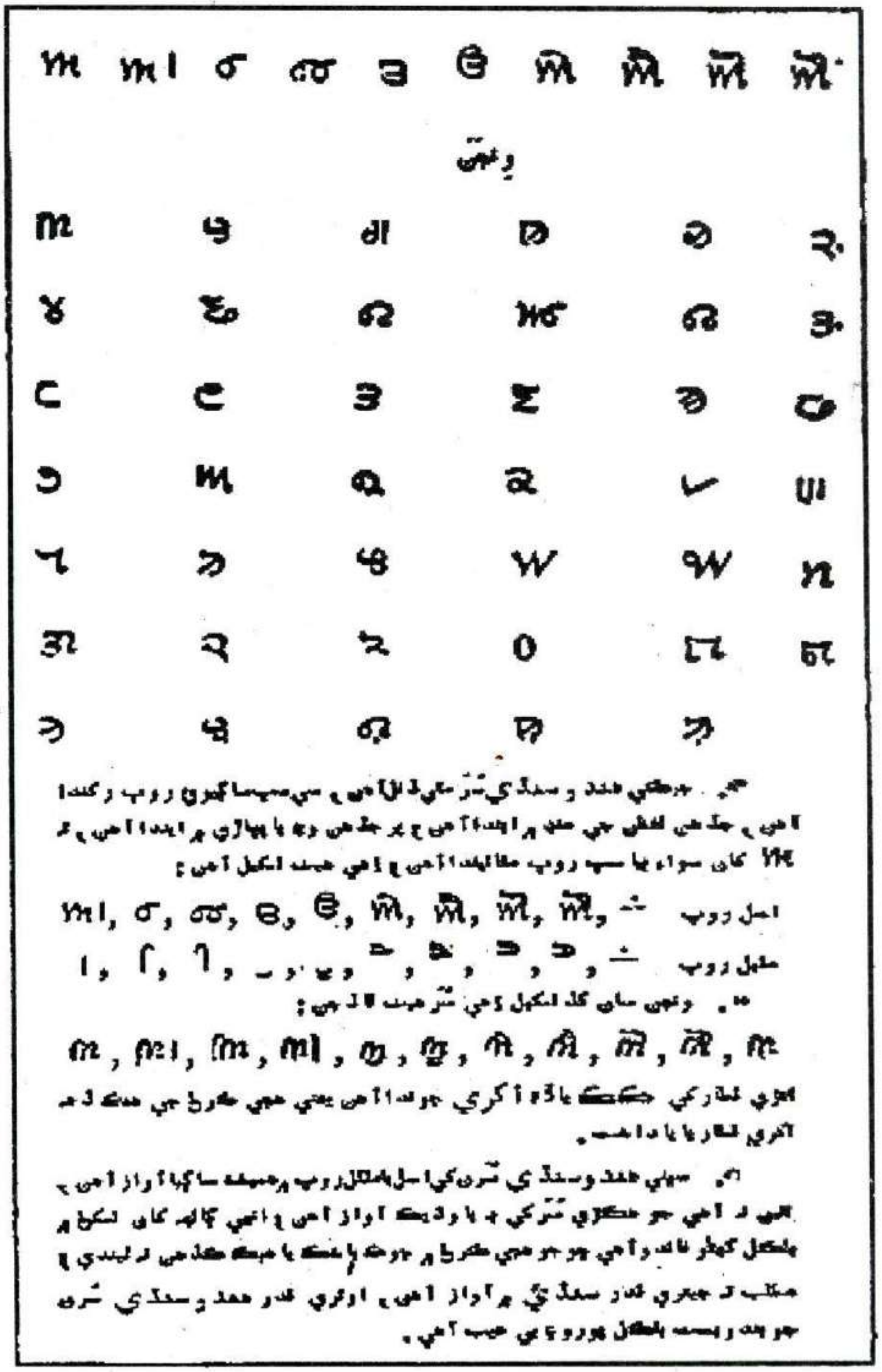

سنڌي لپي ماترائن سان گڏ (جهمٽمل وسطاڻي، ١٨٩٢)

ضمیمہ نمبر: ۷۔ لنڈا: خداوادی (سندھی)، ملتانی اور شاردا (کشمیری) کا تقابل (Bagster 1848:xliv)

ضمیمہ نمبر:۸۔لنڈا: ملتانی، خداوادی، کھوجکی، گورمکھی اور دیوناگری کا تقابل

ضمیمہ:۹۔لنڈا میں ملتانی/سرائیکی کا ایک نمونہ (Grierson 1919:315-316)

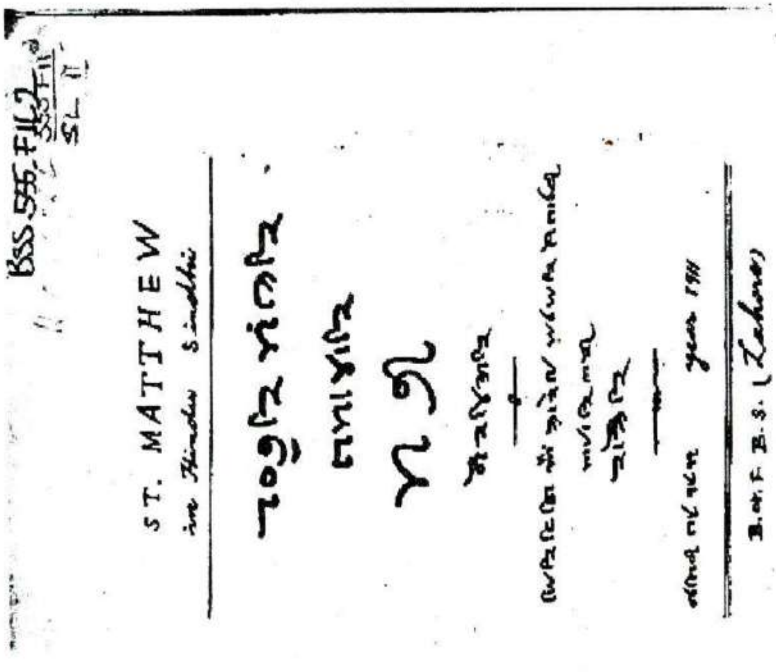

ضمیمہ نمبر: ۱۰۔ ملتانی لنڈا میں New Testament کا صفحہ (Sirerampore Missionaries 1819: 1)

INDO-ARYAN FAMILY. NORTH-WESTERN GROUP.

SINDHI.

STANDARD DIALECT. DISTRICT HYDERABAD.

SPECIMEN I.

NAGARI CHARACTER.

[illegible]

The first few lines of the preceding specimen in the Khudawadi character.

[illegible]

The first few lines of the preceding specimen in the Improved Hindu Sindhi character.

[illegible]

ضمیمہ نمبر:۱۱۔ ملتانی اور دیگر زبانوں اور مختلف رسوم الخط میں NewTestament کا نمونہ (The American Bible Society 1938: 202)

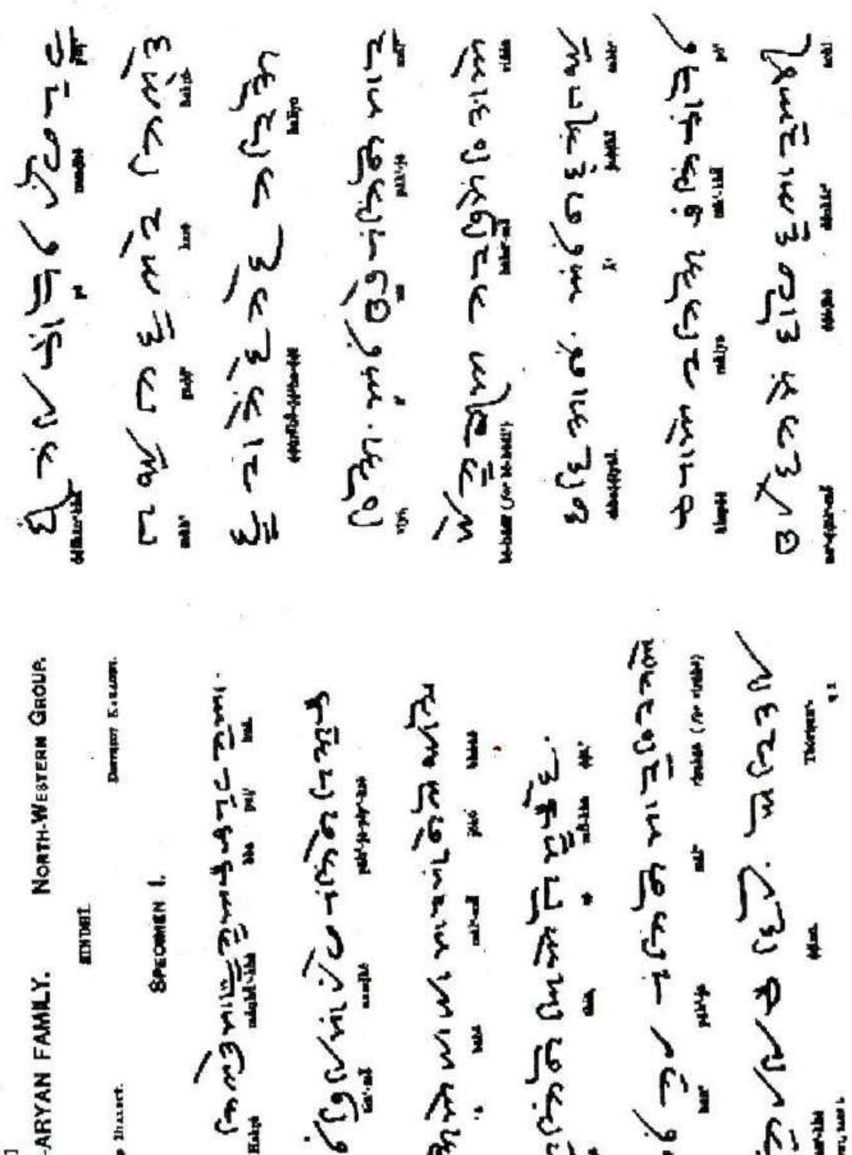

ضمیمہ نمبر:۱۲۔ معیاری سندھی کا نمونہ لنڈا اور عربی رسم الخط میں (M.K.Jetley 1999:90)

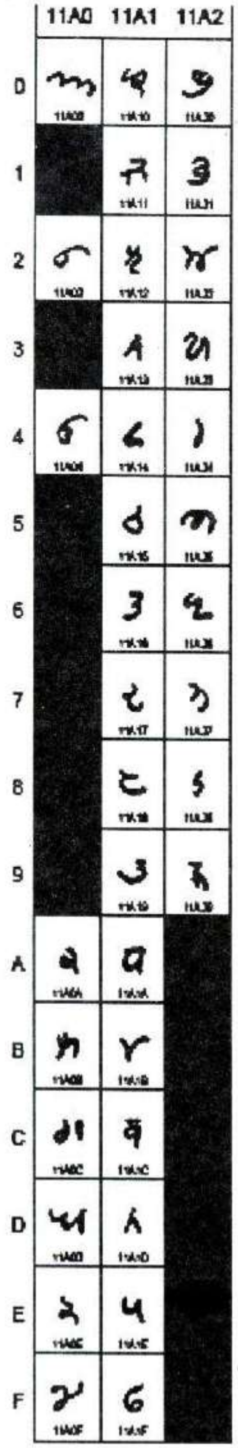

Independent vowels

11A00 LANDA LETTER A
11A01 <reserved>
11A02 LANDA LETTER I
11A03 <reserved>
11A04 LANDA LETTER U

Consonants

11A0A LANDA LETTER KA
11A0B LANDA LETTER KHA
11A0C LANDA LETTER GA
11A0D LANDA LETTER GHA
11A0E LANDA LETTER NGA
11A0F LANDA LETTER CA
11A10 LANDA LETTER CHA
11A11 LANDA LETTER JA
11A12 LANDA LETTER JHA
11A13 LANDA LETTER NYA
11A14 LANDA LETTER TTA
11A15 LANDA LETTER TTHA
11A16 LANDA LETTER DDA
11A17 LANDA LETTER DDHA
11A18 LANDA LETTER NNA
11A19 LANDA LETTER TA
11A1A LANDA LETTER THA
11A1B LANDA LETTER DA
11A1C LANDA LETTER DHA
11A1D LANDA LETTER NA
11A1E LANDA LETTER PA
11A1F LANDA LETTER PHA
11A20 LANDA LETTER BA
11A21 LANDA LETTER BHA
11A22 LANDA LETTER MA
11A23 LANDA LETTER YA
11A24 LANDA LETTER RA
11A25 LANDA LETTER LA
11A26 LANDA LETTER VA
11A27 LANDA LETTER SA
11A28 LANDA LETTER HA
11A29 LANDA LETTER RRA

Grierson, George A. 1904. "On the Modern Indo-Aryan Alphabets of North-Western India." In *The Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland*, 1904. pp. 67–73.

———. 1916. *The Linguistic Survey of India*. Vol. IX. Indo-Aryan Family, Central Group. Part I. Specimens of Western Hindi and Panjabi. Calcutta: Office of the Superintendent of Government Printing, India. p. 624.

———. 1919. *The Linguistic Survey of India*. Vol. VIII. Indo-Aryan Family, North-Western Group. Part III. Sindhi and Lahnda. Calcutta: Office of the Superintendent of Government Printing, India.

Wikipedia Landa scripts. http://en.wikipedia.org/wiki/La%E1%B9%87%E1%B8%8D%C4%81_scripts

Serampore Missionaries. *The Holy Bible containing the Old and New Testaments translated from the originals into the Mooltan Language*. Vol. II – Containing the New Testament. Serampore: Mission Press. 1819.

Government of the Bombay Presidency. *Report of the Department of Public Instruction in the Bombay Presidency, for the Year 1868–69*. Bombay: Education Society's Press, Byculla.

The American Bible Society. 1938. *The Book of a Thousand Tongues: Being Some Account of the Translation and Publication of All or Part of The Holy Scriptures Into More Than a Thousand Languages and Dialects With Over 1100 Examples from the Text*. Edited by Eric M. North. New York and London: Harper & Brothers.

Bagster, Samuel. 1848. *The Bible of Every Land. A history of the Sacred Scriptures in every language and dialect into which translations have been made: illustrated with specimen portions in native characters; series of alphabets, coloured ethnographical maps, tables, indexes, etc.* London: Samuel Bagster and Sons.

British and Foreign Bible Society. 1911. *St. Matthew in Hindki Lahnda*. Lahore.

Datta, Amaresh. 1987. *Encyclopaedia of Indian Literature*. Vol. 2 (Devraj to Jyoti). New Delhi: Sahitya Akademi.

Dow, Hugh. 1976. A Note on the Sindhi Alphabet. *Asian Affairs*, vol. 7, no. 1, February 1976, pp. 54–56.

Jetley, Murlidhar. [illegible]. 1999. Pune: Akhil Bharatiya Sindhi Sahitya Sabha.

Prinsep, James. 1837. "Review: A Grammar of the Sindhi language, dedicated to the Right Honorable Sir Robert Grant, governor of Bombay, by W. H. Wathen Esq." In *Journal of the Asiatic Society of Bengal*, vol. VI pt. I (January to June 1837). pp. 347–354. Calcutta: Baptist Mission Press.

Shackle, Christopher. 1983. *From Wuch to Southern Lahnda: A Century of Siraiki Studies in English*.

Khudabadi Script Sample. Boivin, Michel. Photograph of the cover of a book containing the tale of Dodo Chanesar: "Le Dodo Chanesar. Dodo représente deux, un livre composé en écriture Khudabadi." http://www.mboivin.fr/photos.html

Pandey, Anshuman. 2009. Preliminary Proposal to Encode the Landa Script in ISO/IEC 10646. ISO/IEC JTC1/SC2/WG2 N3768. L2/10-018R. 2010-02-08.

———. 2009. Proposal to Encode the Khojki Script in ISO/IEC 10646.

———. 2010. "A Roadmap for Scripts of the Landa Family." N3766. L2/10-011R. February 9, 2010.

———. 2010a. Proposal to Encode the Sindhi Script in ISO/IEC 10646. ISO/IEC JTC1/SC2/WG2 N3871. L2/10-271. 2010-08-02.

———. 2011a. "Final Proposal to Encode the Khojki Script in ISO/IEC 10646." N3978. L2/11-021. January 28, 2011. http://std.dkuug.dk/JTC1/SC2/WG2/docs/n3978.pdf

———. 2011c. "Final Proposal to Encode the Khudawadi Script in ISO/IEC 10646." N3979. L2/11-022. January 28, 2011. http://std.dkuug.dk/JTC1/SC2/WG2/docs/n3979.pdf

———. 2011d. "Preliminary Proposal to Encode the Multani Script in ISO/IEC 10646." N4027. L2/11-124. April 26, 2011. http://std.dkuug.dk/JTC1/SC2/WG2/docs/n4027.pdf

———. 2012. Proposal to Encode the Multani Script in ISO/IEC 10646. ISO/IEC JTC1/SC2/WG2 N4159. L2/12-316. 2012-09-25.

ڈاکٹر تنظیم الفردوس
شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

عجائبات فرنگ میں ہندوستانی اور مغربی معاشرت کا تقابل

Literature of different languages have been reflecting the cultural diversity of India since long. Aside from scholarly and research works, travelogues have also played a vital role in spreading information about the sub-continent that is full of diversified cultural characteristics

A travelogue-writer understand the cultural variations of an alien land and by comparing them with his own country's cultural characteristics he/ she can share his or her analytical views with other readers.This bring some rare insight before the readers, which otherwise they can hardly know of.

Yousuf Kambalposh's "AJAIBAT-E-FARANG" is Urdu's first travelogue that is about Europe. Written in 1837 and first published in 1847, this travelogue describes rare views and insights about the cultural differences and richness of that Europe.

اس امر میں شک کی گنجائش نہیں کہ زندگی ایک مسلسل حرکت ہے اسی لیے سفر کو آدمی کی جبلت میں داخل ایک ایسا عمل یا تجربہ قرار دیا جاتا ہے جس سے ذہنی کشادگی حاصل ہوتی ہے۔کسی اور صنف میں اظہار کی توانائی بروئے کار لانے والے کسی مصنف کے مقابلے میں ایک سفرنامہ نگار کو اس بات کا موقع نسبتاً زیادہ ملتا ہے کہ وہ اپنی تحریر میں تمدنی آثار، تہذیبی رنگارنگی اور ثقافتی تنوع کو بیان بھی کرے اور اپنی عقل و دانش کے مطابق ان پر تبصرہ بھی کر سکے [1]۔ قدرتی طور پر ایک سیاح کو اپنے وطن کے جانے پہچانے اور مانوس مناظر ومظاہر کے مقابلے میں ممالکِ غیر کے اسفار کے دوران پیش آنے والے مشاہدات میں اور پھر سفرنامہ تحریر کرتے وقت نامانوس، انوکھے اور نادر تجربات کو بیان کرنے میں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے لیکن اگر ایک سفرنامہ نگار اپنی فہم کے مطابق ممالکِ غیر کی تہذیبی زندگی کا موازنہ اپنے وطن اور اہلِ وطن سے بھی کرتا ہوا آگے بڑھے تو ایسے لکھنے والوں کے سفرنامے ایک دانش مندانہ شان کا مظہر دکھائی دیتے ہیں۔

یوسف خان کمبل پوش کا تحریر کردہ سفرنامہ تاریخِ یوسفی مشہور بہ ''عجائباتِ فرنگ'' مصنفہ ۱۸۳۷ء، مطبوعہ ۱۸۴۷ء [2] جو کہ دہلی سے شائع ہوا، اردو زبان میں لکھا گیا پہلا سفرنامہ ہے جو بلادِ مغرب کے احوال و آثار اور تہذیب و تمدن کے مشاہدات کو پیش کرتا ہے۔کمبل پوش کے بارے میں ایک عام رائے یہ ہے کہ وہ ''برکاتِ انگلشیہ'' کا ایک مرعوب ثناخواں ہے اور یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے، لیکن اس کے سفرنامے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہاں جہاں مناسب

محسوس کرتا ہے مغربیوں اور ان کے تمدن کے بعض اجزا کی تنقیص وتنقید بھی کرتا ہے اور اپنے سفر کے دوران تمدنِ شرق و غرب کا تقابل و موازنہ بھی کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ یہی وہ قابلِ مطالعہ زاویہ ہے جسے زیرِنظر مقالے میں ''عجائباتِ فرنگ'' کے مطالعے کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔

اپنے اس سفر کے دوران کمبل پوش نے بلادِ مغرب کی چکاچوند کو عجائبات، جان کے مشاہدہ کیا اور اسی طور اپنے سفر نامے میں ان تاثرات کو بیان کیا ہے۔اس سفرنامے میں اس نے شرقِ اوسط کے بعض ممالک کے احوال و کیفیات کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے بعض علاقوں اور لوگوں کے بارے میں بھی اپنے مشاہدات و تاثرات قلم بند کیے ہیں۔ اس امر کی تحقیق ہو چکی ہے کہ ''عجائباتِ فرنگ'' کے مصنّف کی ادبی حیثیت ہرگز قابلِ لحاظ نہیں ۔معلومہ طور پر اس کی کوئی اور ادبی تصنیف سوائے معمولی درجے کی شاعری کے چند نمونوں کے ہمارے سامنے نہیں ۔اس کے باوجود اس سفرنامے میں تہذیب و تمدن کے چند اہم پہلوؤں اور اجزاء کے تقابل سے انیسویں صدی کے ہندوستان کے تناظر میں ایک قابلِ ذکر خرد افروزی کا اثبات ہوتا ہے۔

یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ایک سفرنامہ لکھنے والے کا ادیب ہونا ضروری بھی نہیں بلکہ اس میں صرف ایسے ادبی اوصاف کا ہونا کافی سمجھا جاتا ہے جو اس کے سفر کے تجربات و مشاہدات کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کرنے میں معاونت کرتے ہوں اور جن کی مدد سے سفرنامہ نگار اپنے قاری کو وہ سب کچھ محسوس کروانے میں کامیاب ہوجائے جو کہ اس نے خود محسوس کیا ہے۳۔ اور جن مقامات کی سیر اس کا مقصد ہو اس نے اپنے آپ کو ان فضاؤں میں گم کردیا ہو۔ اردو کا اولین سفرنامہ نگار یوسف خان کمبل پوش بھی ایک ایسا ہی سیاح ہے جس نے اپنے آپ کو کلی طور پر ''لندن'' کے حوالے کردیا ہے۴۔کمبل پوش کے مذکورہ سفرنامے کے مطالعے سے ہم نہ صرف اردو زبان میں سفرنامہ نگاری کی روایت کا سراغ پاتے ہیں بلکہ اپنے دلچسپ اسلوب، بے ساختگی، مناظر و مظاہر کی دلکش عکاسی، افراد و اقوام کے اوصاف و اطوار کی بھرپور تصویر کشی کی بنا پر اسے جدید اردو سفرنامے کا نقطۂ آغاز بھی قرار دیا جاتا ہے۔

خطۂ ہندوستان کی ثقافتی بوقلمونیوں کی عکس ریزی زمانۂ قدیم ہی سے مختلف زبانوں کی ادبیات کا حصہ بنتی رہی ہے۔علمی و تحقیقی کتابوں کے ساتھ ساتھ سفرناموں نے بھی اس پُر تنوع خطے سے اہلِ عالم کو آگاہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور بیرونی سیاحوں کی ہندوستان آمد کے سراغ بہت قدیم دَور سے ملتے ہیں لیکن ہندوستانی سیاحوں کی جانب سے مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ کی سیاحت کا آغاز اٹھارویں صدی کے ربع آخر میں ہوتا ہے ۵۔ ابتداً ان سفرناموں کی زبان تقاضائے مروجہ کے تحت فارسی رہی لیکن جیسے جیسے زمانے کا چلن بدلا اردو میں بھی سفرنامے لکھے جانے لگے بلکہ یوں بھی ہوا کہ شروع میں لکھے گئے فارسی سفرناموں کو بھی اردو میں منتقل کیا جانے لگا۔کمبل پوش سے قبل بھی کئی ہندوستانی انگلستان کو عازمِ سفر ہوئے اور سفرنامے بھی قلم بند کیے ۔ ان قدیم سیاحوں میں قباد بیگ ، میر محمد حسین لندنی کے علاوہ شیخ اعتصام الدین اور مرزا ابو طالب اصفہانی کے نام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں ۶۔

ان صاحبان میں سے محمد قباد بیگ کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے سترھویں صدی کے اواخر میں اپنا سفر کیا ہوگا ۷ ۔ دوسرا شخص میر محمد حسین لندنی ہے جو پچاس برس کی عمر میں ۱۸۲۸ء میں فوت ہوگیا اس کے بارے میں

معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایامِ حیات کے ابتدائی تیس برسوں میں سیر وسیاحت کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ اس سے زیادہ اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ۸۔ ایک اور نام شیخ اعتصام الدین بن تاج الدین کا ہے جو بنگال کا رہنے والا تھا اور نواب جعفر علی خان اور نواب قاسم علی خان کے عہد میں بنگال کی نظامت میں عہدیدار تھا۔ بعد میں شاہ عالم ثانی اور انگریزوں کے درمیان طے پانے والے معاہدے میں بھی اس کا کچھ کردار رہا اور اسی ضمن میں اس نے انگلستان کا سفر کیا اور اس سفرِ یورپ بالخصوص سفرِ انگلستان کے محرکات کے بارے میں اس کا سفرنامہ ''شگرف نامہ'' ایک بہت اہم تاریخی مآخذ کا درجہ بھی رکھتا ہے ۹۔ اس کے بیانِ تجربہ میں مشاہدات کے علاوہ تاثرات کا بھی عمل دخل ہے اور وہ ہندوستانی معاشرت پر انگریزوں کے نظم ونسق کے بعض تکلیف دہ پہلوؤں کی عکاسی بھی کرتا ہے ۱۰۔

اس کے بعد جو ہندوستانی عازمِ انگلستان ہوا وہ ابو طالب اصفہانی ہے جو سات فروری ۱۷۹۹ء کو کلکتہ سے روانہ ہوا۔ چار سال سے زائد عرصے تک یورپ میں قیام کرنے کے بعد ۱۸۰۳ء میں واپس لوٹ کر آیا اور اپنے مشاہداتِ سفر کو ''مسیر طالبی فی بلادِ افرنجی'' کے نام سے تحریر کیا ۱۱۔ ابوطالب نے اس سفر کے آغاز کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ وطن میں قرار وسکون، اولاد و اطمینان کے رخصت ہوجانے کے بعد جب سفر کی پیش کش ہوئی تو یہ جان کر آمادہ ہوگیا کہ بارِ رنج سفر اور صعوبتِ راہ کہیں نہ کہیں زندگی کی قید سے آزادی دلا دے گی ۱۲۔ مایوسی پر مبنی اس سبب کے باوجود وہ ایک سیّاح کی نظر سے نہ صرف ہر واقعے، ہر منظر اور ہر مشاہدے کی تحفیظ کرتا چلا جاتا ہے بلکہ دلچسپ دلائل کی مدد سے مؤرخ پر سیّاح کی برتری بھی ثابت کرتا ہے ۱۳۔ اس کے سفرنامے میں وہ تمام اجزاء ہیں جن کا کہ ایک سفرنامے میں ہونا ضروری ہے۔ بلادِ انگلستان کے دیگر سفرناموں کے مقابلے میں آخرالذکر دونوں سفرناموں کے اردو تراجم بھی ہوئے جو کہ شائع ہو چکے ہیں۔ بعض محققین کو یہ گمان بھی ہے کہ یوسف خان کمبل پوش نے ان دونوں سفرناموں کا نہ صرف مطالعہ کیا ہوگا بلکہ ''تاریخ یوسفی'' کے بعض مقامات پر ان سے استفادے کا گمان بھی ہوتا ہے ۱۴۔ ان فارسی سفرناموں کے علاوہ یوسف کمبل پوش کے معاصرین میں نواب کریم خاں کا ''سیاحت نامہ ہند'' ۱۵ بھی قابلِ ذکر ہے جو ہے تو روزنامچے یا ڈائری کی شکل میں لیکن جزئیاتِ سفر اور قیامِ لندن کی تفصیلات کے پیشِ نظر اس تصنیف کو بھی اردو سفرناموں کے اولین نقوش میں اہمیت حاصل ہے۔

یوسف کمبل پوش کے سفرنامے سے قبل اس زمانے میں معرضِ تحریر میں آنے والی ان تصانیف کے بعد جب ہم عجائباتِ فرنگ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس تصنیف کو کئی امتیازات کا حامل پاتے ہیں۔ اس کا اسلوب اور زبان و بیان کے بنیادی خصائص وہی ہیں جو انیسویں صدی کے اوائل اور وسط میں عام ہندوستانی اردو نثر کی شناخت ہیں۔ اس کے باوجود کہ اب تک اردو زبان میں بلادِ یورپ کے کئی درجن سفرنامے منظرِ عام پر آ چکے ہیں لیکن عجائبات فرنگ اپنی جگہ اب بھی ایک بے مثال سفرنامہ ہے ۱۶۔ اس کی خوبی کا مدار محض اس کی اوّلیت پر نہیں ہے بلکہ اگر یہ سفرنامہ بعد میں بھی شائع ہوتا تو ''زبان و بیان کی بے باکی، بے ساختگی، وارفتگی اور حقیقت نگاری کی وجہ سے اس کی شہرت ومقبولیت میں کوئی فرق نہ آتا'' ۱۷۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے خصائص میں کمبل پوش ایک سچا سیاح تھا جس کے اندر ''عجائب وغرائب کو دیکھنے کی سچی تڑپ، تجسس، تفحص، بے باکی، صاف گوئی، صداقت نگاری اور سلاست اظہار'' ۱۸ جیسی خوبیاں بدرجۂ اتم

موجود ہیں۔ وہ سیاحت کی روح سے واقف ایک ایسا مردِ خود آگاہ تھا جسے اپنے امتیازات کی خبر تو تھی لیکن وہ اپنی زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے حادثات پر خندہ زن ہونا بھی جانتا تھا۔ اپنے سفر کے دوران اس نے جن احوال، واقعات، آثار اور افراد کا تذکرہ کیا ہے ان میں کہیں دروغ بیانی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، مبالغہ ضرور ہوسکتا ہے۔ کہیں کہیں بیانات میں تضاد بھی دکھائی دیتا ہے لیکن اہلِ نظر خوب جانتے ہیں کہ ''اس سفر نامے میں انیسویں صدی کا لندن اور پیرس ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھی جیتا جاگتا نظر آتا ہے ۱۹''۔

کمبل پوش کے محرکاتِ سفر میں کوئی سیاسی، معاشی یا سماجی ضرورت دکھائی نہیں دیتی بلکہ وہ حالِ مؤلف کے تحت لکھی گئی سطروں میں جو کچھ بیان کرتا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نصیرالدین حیدر کی ملازمت کے دوران اس نے انگریزی زبان سیکھی۔ اس کے بعد اور اس سے قبل بھی اسے کتبِ تواریخ سے خاص شغف تھا اور ان ہی مشاغل کے دوران یکا یک اسے ملکِ انگلستان کی سیاحی کا خیال دامن گیر ہوا ۲۰۔ ایک آسودہ حال زندگی بسر کرتے کرتے سیر وسیاحت کی خواہش اور پھر اس خواہش کی تکمیل کی خاطر ہر تردّد برداشت کرنے کا حوصلہ کمبل پوش کو طبعاً ایک مضطرب اور متجسس سیاح ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے سفرنامے کی سب سے نمایاں خوبی مصنف کی سچائی اور مشاہدات و تجربات کو اپنے قارئین تک ہو بہو منتقل کر دینے کی پرخلوص لگن ہے۔ لہٰذا وہ آغاز ہی میں لکھتا ہے کہ ''جو کچھ سفر میں دیکھا بھالا تھا اس رسالے میں مفصل لکھا۔ اس کے دیکھنے والوں سے امیدوار ہوں کہ بہ مقتضائے بشریت اگر کہیں بھول جاؤں تو اپنی عنایت سے معاف کریں ۲۱''۔

تیس مارچ ۱۸۳۷ء کو ساحلِ کلکتہ سے ''ازابیلا'' جہاز پر سوار ہو کر انگلستان کے لیے روانہ ہوتا ہے لیکن دراصل اس کی سیر وسیاحت کا آغاز ۱۸۲۸ء کے وسط میں اس وقت ہو چکا تھا جب وہ اپنا وطن حیدرآباد چھوڑ کر عظیم آباد، ڈھاکہ، مچھلی بندر، مندراج، گورکھپور، اکبرآباد، شاہ جہاں آباد وغیرہ دیکھتا ہوا لکھنؤ پہنچا ۲۲۔ اگر اس نے اس عرصۂ سفر کے مشاہدات بھی قلم بند کیے ہوتے تو ہم تمدنِ ہند پر کمبل پوش کے مزید تبصروں سے بھی واقف ہوسکتے تھے۔ بہرحال سفرِ انگلستان کے آغاز ہی سے اس نے تمام جزئیات وتفصیلات کا بیان قلم بند کرنا شروع کیا اور اپنے پہلے بحری سفر کے ناخوشگوار و خوشگوار تجربات کو بلاتکلف بیان کرتا گیا۔ منظر یا واقعہ اس کے دل کو بھائے یا نہ بھائے وہ ان سب کا ذکر ضرور کرتا ہے۔ پہلا پڑاؤ سمین بیہ پر کرکے جزیرہ کیپ کی سیر کرتا ہے۔ مناظر و مظاہر اطوار و اخلاقِ باشندگان ملک کے علاوہ جو چیز اس کے لیے حیرت افزا اور توجہ طلب ہوئی وہ جنگی جہاز کی سیر تھی ۲۳۔ اسی جزیرے پر انگریزوں کے بنائے ہوئے مکانات اور ان کی طرزِ زندگی کی تحسین کرتا اور خواہش مند ہوتا ہے کہ عمر یہیں بسر کر پاتا مگر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ جب وہاں نوخیزوں اور جوانوں کو درس و تدریس میں مصروف اور بزرگوں سے مؤدبانہ برتاؤ کرتے دیکھتا ہے تو حیران ہوتا ہے کہ ''ہمارے وطن کے لڑکے اس سن میں نشست و برخاست کی تمیز نہیں رکھتے ۲۴''۔ یہاں اس نے میوزیم دیکھا اور اسے مقامِ عجائبات قرار دیا ۲۵۔ اس جگہ موجود دیگر اقوام کے خصائص بھی مختصراً بیان کرتا ہے۔

اگست ۱۹۳۷ء کے آخر میں وہ نواحِ لندن پہنچتا ہے اور وہیں سے اس خیال کا اظہار شروع کر دیتا ہے کہ جس کے پاس روپیہ ہو یہیں عیش ونشاط سے زندگی بسر کرے کہ اس سے بہتر کوئی مقام نہیں ۲۶۔ صاحبانِ حسن و جمال کو دیکھ کر کہتا

ہے کہ ''افسوس میں بادشاہ ہند کا نہ ہوا نہیں تو ہر ایک پری کو ایک ملک بخش دیتا ۲۷''۔ مہمان سراؤں کے انتظام کی توصیف، مکانات کا سلیقہ، میزبانوں کی خوش خلقی کے بیانات کے علاوہ گاؤں دیہاتوں کے مرد و عورت کا رہن سہن بھی بیان کرتا ہے۔ کھیتوں میں کام کرنے والی نوجوان لڑکیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے بناؤ سنگھار کو بھی نہیں بھولتا اور پھر ایک مرتبہ وہاں نوجوانوں کی دانائی کی باتیں سن کر اسے ہندوستان یاد آتا ہے جہاں اس کے خیال میں ایسی دانائی بڈھوں میں بھی نہیں ہوتی ۲۸۔

لندن شہر پہنچتا ہے تو اسے شہرِ گلستان قرار دیتا ہے۔ ہر ایک منظر اور انتظام اسے دانائی کی کان دکھائی دیتا ہے۔ کبھی عمارتوں پر حیرت کی نگاہ ڈالتا ہے کبھی دھویں کے زور سے چلنے والی ریل گاڑی اسے متجسس کرتی ہے اور کبھی باورچی خانے کو غسل خانہ سمجھ کر اس میں نہا لینے کی اپنی حماقت کا دلچسپی سے بیان بھی کرتا ہے ۲۹۔ سینٹ پال کلیسا کے پادریوں کی کشادہ دلی پر متعجب ہوتا ہے کہ وہ اسے اجنبی جاننے کے باوجود اپنی عبادت گاہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں اور اپنے برابر بھی بٹھاتے ہیں اور اسے پھر ایک مرتبہ ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کا خیال آتا ہے جو اپنے عبادت خانوں میں سوائے اپنے ہم مذہبوں کے کسی کو نہیں جانے دیتے۔ کلیسا کی عمارت اور اس کی شان و شوکت کو تاج (محل) بی بی کے مقبرے سے تشبیہہ دے کر ایک کو دوسرے سے بہتر اور دوسرے کو پہلے سے خوش تر قرار دیتا ہے ۳۰۔ سیر تماشے دیکھتا ایک دن ٹاور آف لندن بھی پہنچتا ہے اور انگریزوں کے بنائے ہوئے ہتھیار اور فوجی انتظامات دیکھ کر حیرت زدہ ہوتا ہے، لیکن جب ایک مقام پر وہ چند انگریزوں کو اٹھہ بازی اور شطرنج کے کھیل میں مصروف دیکھتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اسے یہ کام پسند نہ آیا بلکہ افسوس ظاہر کرتا ہے کہ یہ کیسے بے عقل لوگ ہیں جو اپنے اوقاتِ عزیز بے جا کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

لندن کے ایک مصوّر نے کمبل پوش کو اپنی بہنوں کے لیے خط دیا تھا۔ جب ان تک پہنچانے جاتا ہے تو ان کی خاطر مدارات اور عنایات کا قائل ہو جاتا ہے اور اس کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمایئے ''کیا خوب شہرِ لندن ہے، لوگ وہاں مسافروں پر ایسی عنایت کرتے ہیں کہ باپ بیٹوں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ فقیر نے سفر بہت شہروں کے کئے مگر صاحبِ مروت ایسے کہیں نہ پائے۔ انگریز جو ہندوستان میں آتے ہیں، مزاج بدل جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اون سے کچھ نسبت نہیں۔ مصرع: ''چہ بست خاک را بہ عالم پاک'' مقامِ تاسف ہے کہ ہندوستان کے لوگ اوس شہر جنت نشان میں نہیں پہنچتے ہیں تا کہ اپنی آنکھوں سے اون لوگوں کے اخلاق کا حال دیکھتے اور جانتے ۳۱''۔

دودی جہازوں کے کپتانوں کی مہارت کی تعریف بھی کرتا ہے ۳۲۔ بادشاہی توپ خانے کا رعب ایسا پڑتا ہے کہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ''جو لوگ ایسے صاحبِ عقل اور تدبیر ہوں، ہمیشہ ان ہی کاموں میں مشغول رہیں کیوں کہ حاکم ہفت اقلیم کے اور عالمگیر نہ ہوں ۳۳''۔ اسی مرحلے پر وہ یاد کرتا ہے ہندوستانی افواج کے اسلحہ خانے کا انتظام کیسی بے ترتیبی کا شکار ہے۔ نپولین کی لاش کی درگوری بھی اسے ملول کر دیتی ہے ۳۴۔ اور پھر ایک حیرت زا منظر اسے کتاب خانۂ شاہی میں دکھائی دیتا ہے۔ طب اور اناٹومی کے طلبہ کی سہولت کے لیے بنائی گئی موی تصویریں، تحصیلِ علوم کے باب میں اسے انگریزی دانش کا قائل نہ کرتیں تو کیا کرتیں؟ ۳۵

اپنے انگریز دوست کے مکان پر آئے ہوئے پادری صاحبان سے گفتگو کرتے ہوئے وہ بلا تکان و تردّد ہندوؤں کے مذہبی عقائد اور رواجوں کے اثبات میں دلائل دے کر ہندی تہذیب و معاشرت سے مکمل آگہی کا ثبوت دیتا ہے۔ درخت و گئو پرستی سے لے کر ہر روز کے نہانے، برتنوں کو مٹی سے دھونے، پکانے کی جگہ کی صفائی، شراب اور گوشت سے احتراز تک ہر طور طریقے کے بارے میں اس کے پاس کافی دلائل ہیں اور اپنی بات کے مزید اثبات کے لیے ان عقائد و رسومات پر عمل پیرا، ان ہندوستانی تلنگوں یا سرکاری کارندوں کی توصیف کرتا ہے جو انگریزوں کے ملازم ہیں اور تنگی ترشی اٹھا کر ایک جانب گھر والوں کی کفالت کرتے ہیں تو دوسری جانب اخلاقی اقدار کے حامل بھی ہیں۔ اسی مقام پر وہ ایک موازنۂ معکوس بھی کرتا ہے یعنی ایسے ہندوستانیوں کے مقابلے پر ان انگریزوں کا بیان کرتا ہے جو شادی کے بعد والدین سے بے خبر ہو کر اپنی خاندانی زندگی بیوی بچوں تک محدود کر لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسکینوں اور محتاجوں سے انگریزوں کی درشت روی پر بھی تنقید کرتا ہے اور مسلکِ عیسوی سے دُور جا پڑنے والے عیسائیوں کے اعمال و افعال پر بھی سخت نکتہ چینی کرتا ہے ۳۶۔

یہیں مزید استفسار پر اپنے مذہب کی تفصیل بیان کرتا ہے جس کے بارے میں تحسین فراقی نے اپنے مرتبہ ایڈیشن کے مقدمے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ایک آزاد منش اور صلح کُل طبیعت کا آدمی تھا، کسی مذہب و ملت سے بیر رکھنا اس کا شیوہ نہ تھا اور اسی مقصد کے لیے اس نے خود کو مذہبِ سلیمانی کا پیروکار کہا ۳۷۔ اور بقول اس کے ،اپنے اس خود ساختہ مذہب کے عقائد و تصورات کے حصول کے لیے اس نے نوعمری ہی سے در در کی خاک چھانی۔ جگہ جگہ پھر کر، طرح طرح کے مذاہب و اعتقادات کے عالموں سے مل کر کسبِ حلال اور حدِ اعتدال کو اپنا مشرب ٹھہرایا ہے اور اسی بنا پر بے باکی و حق گوئی سے کام لے کر یہ اطمینان حاصل کرتا ہے کہ:

راجہ روٹھے نگری راکھے

رام رُسے کت جاندا ۳۸

دیگر مذاہب کے لوگوں سے ملنے کے بعد یہودی علماء سے ملنے اور عبادت خانوں کو دیکھنے کا شوق رکھتا ہے اور جب یہ شوق پورا ہوا تو یہ مسافر زیادہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے دل میں کچھ ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جو انگریزوں کے انتظام اور عمل میں پورے نہیں کیے جاسکتے لہٰذا مجبور ہوتا ہے ۳۹۔ قیامِ لندن کے دوران اسے ملکہ وکٹوریا کا جلوس دیکھنے کا موقع بھی ملتا ہے ۔وہ بھی شوقِ دیدار میں راستے میں کھڑا ہوتا ہے اور ملکہ اور مادرِ ملکہ کی سواری کے انتظامات کا تفصیلی بیان بھی کرتا ہے۔ بقول اس کے ''جب گاڑی میرے سامنے آئی، ایک ساعت رکی، چہرۂ نورانی ملکہ کا میں نے بغور دیکھا، نمونہ قدرتِ ایزدی کا پایا۔ آداب تسلیمات بجالایا۔ نگاہِ عنایت سے میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اون کی ماں نے بھی دیکھا۔ میں خوشی سے پھولوں نہ سمایا'' ۴۰۔ نگاہِ لطف کے بدلے سلطنت کی لازوالی کی دعائیں مسافرت کی نفسیات کے تناظر میں سمجھ میں آتی ہیں۔

گلڈ ہال کے رعب و دبدبے نے یہ کہلانے پر مجبور کیا کہ ''انگلستان میں ایسی ایسی عجیب چیزیں اور تماشے دیکھے کہ ہندوستان میں کانوں سے نہ سنے تھے'' ۴۱۔ کیا اس کے اس بیان سے ہم اس وقت کے ہندوستان کی علمی و تکنیکی کیفیات

کی خبر نہیں پاتے؟ عجائبات اور حیرتوں کا سفر ختم نہیں ہوتا لہٰذا وہ بار بار اعتراف کرتا ہے۔ ع

عجب شہر ہے وہ عجب شہر یار
پُراز حکمت و لطف ہے وہ دیار

اس کی نگاہوں کے سامنے مادام تساؤ کا عجائب خانہ بھی ہے[۴۲]۔ اور انتظامِ حکومت میں پاگلوں اور سودائیوں کی حفاظت اور علاج کا مکان بھی اس کے سامنے ہے جہاں مرد و عورت سب رکھے جاتے ہیں۔ یتیم بچوں کا انتظام، نابینا بچوں کا انتظام یہاں تک کہ ناجائز لڑکوں کی پرورش کا انتظام بھی سرکار کے ذمے ہے جسے وہ بحسن و خوبی ادا کرتی ہے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر انتظامات کے بعد وہ اگر اس سلطنت کا موازنہ ہندوستان سے اور اس حکومت کا مقابلہ بادشاہِ ہند سے کرتا ہے تو تعجب نہ ہونا چاہیے[۴۳]۔

اس کے موازنے کی خوبی فرنگ و ہند ہی کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ اس خوبی کا اظہار وہ اس سفرنامے میں بیان کیے گئے مصر کے منظرنامے میں لندن اور مصر کے شہروں کا موازنہ بھی کرتا ہے اور واپسی کے سفر کے دوران ایک موقع پر ''مصر کے پاگل خانوں کی خستہ حالی، حاکموں کی بے پروائی اور بے اعتنائی پر کفِ افسوس ملتا ہے'' [۴۴]۔ کمبل پوش کی مرعوبانہ ذہنیت کے بارہا اظہار پر افسوس ظاہر کرنے کے باوجود یہ سمجھنے میں مشکل نہیں ہوتی کہ اس کا احساسِ کمتری ان کمزور حکومتوں کی دین تھا جہاں وقت گزار کر کمبل پوش کو انگلستان آنے کا موقع ملا تھا [۴۵]۔ وہ شاہانِ اودھ کی ملازمت میں رہ کر اہلِ ہندوستان کی کاہلی اور تن آسانی، رئیسوں اور دولت مندوں کی عیش پرستی اور بے جا مشغولیات کا براہِ راست مشاہدہ کار تھا یہاں تک کہ شاہانِ اودھ کی بے اعتدالیاں بھی اس پر عیاں تھیں۔ ایسے میں ''انگریز کی علم دوستی، مستقبل شناسی اور ان کا حرکی نظریہ'' اسے کیوں نہ متاثر کرتا [۴۶]۔

اسی دوران اسے پیرس کی سیر کا خیال آتا ہے۔ سفر کا انتظام کر کے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اور تہذیب مغربی کے ایک اور آئینے کی جھلک دکھاتا ہے لیکن سہولیات و انتظامات میں اسے نہ وہاں کے دیہات اور نہ شہر، لندن کے ہم رتبہ دکھائی دیے۔ پھر بھی شہر پیرس کے بازار، تصویری گیلریاں اور قہوہ خانے اس کے لیے پرکشش تھے۔ نوٹرے ڈیم کا کلیسا اسے مرعوب کرتا ہے۔ اوپیرا کا رقص و سرور پسند آنے کے باوجود رقاصاؤں کی عریانیت پر معترض ہے بلکہ بعض انگریزوں کی جانب سے ہندوستانی رقاصاؤں کے ملبوسات پر اعتراض کا جواب بھی دیتا ہے [۴۷]۔ پیرس کے مردہ خانے اس کے لیے نئی چیز تھے اور خودکشی کا رجحان بھی۔ پیرس سے کچھ فاصلے پر ورسیل پیلس دیکھ کر اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ایک مرتبہ پھر اسے روضہ تاج بی بی یاد آتا ہے بلکہ وہ اس عمارت کو خوبیوں میں ہندوستان اور لندن کی عمارتوں سے بہتر قرار دیتا ہے[۴۸]۔ فرانسیسیوں کے گورستان میں دوستوں اور احباب کی قبر پر پھول لے کر آنے والوں کو دیکھ کر اسے رسمِ ہندوستانی سے ایک نوع کی یگانگت دکھائی دیتی ہے[۴۹]۔ اس مقام پر وہ انگریزوں کے اس رویے کا ناقد دکھائی دیتا ہے کہ وہ مردوں کے لیے قبروں پر خوشبو اور پھول لے جانے کے قائل نہیں جب کہ وہ ہندوستان میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کی جانب سے بتوں، سمادھیوں اور قبروں پر خوشبو اور پھولوں کے اہتمام کو ''رسمِ خوشنما'' قرار دیتا ہے[۵۰]۔

پیرس کا کتاب خانہ بھی اس کے لیے حیرت انگیز ہے جنھوں نے خونِ جگر کھا کر یہ کتابیں جمع کیں انھیں آفرین کہتا

ہے ۵۱۔ طلبائے طب کے لیے بنائے گئے علم الابدان کے نمونے دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے اور اس امر پر معترض بھی کہ ایسی جگہ کا نگران ایک عورت کو کیوں مقرر کیا گیا ہے ۵۲۔ بادشاہ فلپ کی حکومت میں کی گئی اصلاحات کی تعریف کرتا ہے لیکن اس کے نزدیک یہاں کے راستے اور ہتھیار لندن سے مقابلہ نہیں کرتے۔ ایک دوشیزۂ خوش خصال و بے مثال سے محبت کا تذکرہ بھی ہے جو اغراضِ نفسانی سے خالی تھی۔ اسی کے ہاتھ میں جب دلکش و بیش قیمت گھڑی دیکھی تو سوال کیا کہ تم اہلِ ہندوستان کو بے رحم و بے مروت جانتی ہو اگر میں تم کو دریا میں دھکا دے کر یہ گھڑی چھین لوں تو دوشیزہ اس مسافر پر اپنے بھروسے اور اعتبار کا اقرار کرتی ہے ۵۳۔ پیرس میں مشاہدہ کیا کہ جنسی بے راہ روی عام ہے ۔کمبل پوش کو خصوصیت کے ساتھ زن و شوہر کی آپس میں بے وفائی پسند نہیں آتی اور اس کی دانست میں یہ امر باعثِ فساد ہے ۵۴۔

لندن واپس آ کر نئے مقاماتِ عجائب کے مشاہدات میں مصروف رہا ۵۵ اور کچھ ہی دنوں میں ہندوستان واپسی کا ارادہ کر کے انتظامات کے بعد واپسی کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ بحری جہاز پر سوار ہو کر Lisbon,vigo سے ہوتا ہوا جبرالٹر سے گزر کر الجزائر سے ہوتا ہوا ۱۸۳۸ء میں مالٹا اور پھر اسکندریہ پہنچتا ہے۔ کچھ وقت مصر میں گزارتا ہے اور وہاں کے حکمران کی بدانتظامی، شقی القلبی اور عام لوگوں کے رویوں میں درشتگی کو نشان زدہ کرتا ہوا مصر کے مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا کوہِ طور کی سیر بھی کر لیتا ہے اور نہر سوئیس کے راستے ممبئی کے لیے روانہ ہوتا ہے۔ اس پورے سفر کا احوال بھی اس نے بے تکلفی اور روانی کے ساتھ بیان کیا ہے اور منظروں، موسموں، لوگوں اور ان کی عادتوں کے بارے میں بے لاگ تبصرے بھی ویسے ہی ہیں۔ البتہ ملکِ انگلستان کی طرح یہاں آرام اور سکھ نہیں تکلیف اور پریشانی زیادہ اٹھائی ۵۶۔

ممبئی کے بارے میں بھی اپنے مشاہدات کے بیان کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ شہر، اس کے قلموں، شہر اور بازار کے رستوں کی وسعت، بازاروں میں اشیاء کی فراوانی، ایرانیوں اور پارسیوں کے نفیس مکانات کا تذکرہ، پہاڑوں کی سینری اور ماحول کی رطوبت اس کو پسند آتی ہے۔ پارسی رسومات کے ذکر کے علاوہ ان کی ذہنی اور عقلی صلاحیتوں کا اعتراف کرتا ہے۔ نواحِ ممبئی کے بعض جزائر کی سیر کے بعد براستہ خشکی کلکتہ جانے کا ارادہ باندھا لیکن زادِ راہ کم تھا ناؤ پر سوار ہو کر نپولی اترا۔ وہاں سے پیدل بڑگاؤں سے ہو کر پونا پہنچتا ہے۔ یہ پورا راستہ اسے راہِ ولایت کی مانند معلوم ہوا لیکن اس کے بعد سفر میں یہ ہمواری نہ تھی اور راہ سے بے راہ ہو کر بنجاروں کی ایک جماعت کے ساتھ ہولیا۔ اس قوم کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا لہٰذا ان کی ہمراہی میں چلا۔ بنجاروں کا یہ گروہ ہندو تھا اور ان کی کچھ عادتیں کمبل پوش کے لیے سخت ناگوار و ناپسندیدہ ہوئیں۔ ان میں سب سے ناپسندیدہ امر جانوروں خصوصاً بیلوں کو ستانا، بار برداروں کو بھوکا رکھنا اور مارنا تھا ۵۷۔ ایک تفصیلی تقابلی تبصرہ کرتا ہوا ان کا ساتھ چھوڑتا ہے اور، اورنگ آباد پہنچ کر ایک چالباز شاہ صاحب سے ملتا ہے لیکن قیافے سے پہچان لیتا ہے کہ جو ہیں وہ نظر نہیں آ رہے اور جو نظر آ رہے ہیں ویسے ہیں نہیں۔ بہر حال ان کو آزمائش میں ڈال کر دولت آباد کی راہ لی ۵۸۔ اورنگ آباد اور دولت آباد کی عمارتیں، سرائیں اور آثار دیکھ کر اسے یقین آتا ہے کہ کبھی بہت آباد رہے ہوں گے۔ مزارات پر فاتحہ خوانی بھی کرتا ہے اور وہاں کا تبرک بھی پسند کرتا ہے لیکن مجاوروں کے تقاضوں سے تنگ آتا ہے۔ اورنگ زیب کے مزار پر تاسف کے اظہار کے بعد زیب النساء دخترِ عالمگیر کا مقبرہ دیکھتا ہے اور نظام الملک آصف جاہ ثالث پر الزام عائد کرتا ہے کہ اس مقبرے کے لیے بے مثال سنگِ مرمر کھدوا کر اپنے باپ کے مقبرے پر لگاتا ہے۔ ۵۹

ایلورہ کے پہاڑوں کے اندر ترشے ہوئے مکانات، ستون اور بت بھی دیکھے جن کے بارے میں سُن رکھا تھا اور آج دیکھ کر اسے بھی یقین ہونے لگتا ہے کہ اس تراش خراش میں انسانی ہاتھوں کا عمل دخل نہیں بلکہ دیویوں کا ہاتھ ہے۔۶۰ اس نے وہاں رات کو قیام کرکے دیکھا۔ رات کے وقت الو اور چمگادڑ ضرور اڑتے نظر آئے لیکن دیو یا بھوت نہ ملے۔ اس حیرت کدے کو دیکھ کر اتنا متاثر ہوتا ہے کہ شائقینِ سفر کو اطلاع دیتا ہے کہ اس طرف ضرور جائیں لیکن وہاں بھوتوں کی عمل داری کے بجائے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں ہندوؤں کی عمل داری نے یہ مقام آباد کیا ہوگا مگر گردشِ زمانہ نے اسے برباد کر دیا۶۱ ۔وہاں سے پلٹتا ہے تو دولت آباد کا قلعہ اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ واپسی کے سفر میں ایک نوجوان طرح دار مرہٹن کے جمالِ دلفروز سے متاثر ہوکر تحسینِ جمال کرتا ہے تو وہ اس فقیر سے سوال کرتی ہے کہ کب ہندوستان میں انگریزوں کا زوال اور مرہٹوں کا اقتدار ہوگا؟ جواب تو کمبل پوش نے اپنے مزاج کے مطابق دیا لیکن سوال کی معنویت کا تعین عصری سماجی تقاضوں کی تفہیم کے بغیر ممکن نہیں۔۶۲

اورنگ آباد کے مشاہدات سے لطف اندوز ہوکر اس سرزمین کی زرخیزی کا اعتراف بھی کرتا ہے اور یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر محنت کی جائے تو بہت اچھے پھل پیدا کیے جاسکتے ہیں بلکہ ولایت سے بھی اچھے لیکن اسے افسوس ہوتا ہے کہ یہاں کے مرد محض تماش بین اور کھلاڑی ہیں۔ یہاں کے نوجوانوں اور لندن کے جوانوں کا دوبارہ موازنہ کرتا ہے۔ اُن کی مستعدی اور علم دوستی اور اِن کی کاہلی اور عیش پرستی سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ان ہی اسباب کی بنا پر یہاں کے لوگوں کے لیے ذلت اور خواری اور وہاں کے لوگوں کے لیے رونق اور ترقی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۶۳۔ اورنگ آباد میں مقیم ایک انگریز گھرانے کو ان کے دوست کا خط پہنچانے گیا اور حسبِ روایت ان کی تواضع وتعظیم اور اپنی جانب سے ان کی تحسین کا بیان کیا ہے۔ آگے کی منزلوں پر کئی اور تبصرے کرتا ہے۔ پینے کے پانی کے کنوؤں میں فضلہ ڈال دیتے۔ راستے محفوظ نہیں۔ عاملوں کا ظلم ہے لہٰذا زمینیں ویران اور بنجر پڑی ہیں لیکن انتظام و انصرام کی درستگی کا کسی کو خیال نہیں۔ کسی کو احساس نہیں کہ کس طرح ملک اجڑتا جاتا ہے۔ تمام منزلوں میں کہیں نظام کی عمل داری تھی اور کہیں انگریزوں کی اکثر مقامات پر خشک سالی ہے۔ کنویں سوکھے ہوئے ہیں۔ راستے اجاڑ اور صنعتیں بے منفعت۔ ناگ پور کی صورت بیان کرتا ہے کہ زمینِ ریگستان، کوہستان شور زدہ ہے اور زراعت ممکن نہیں۔ لوگ بے لیاقت اور مکانات تنگ و تاریک یہاں تک کہ راجہ کے مکان کا بھی وہی انداز تھا۔ اس کو لندن کا قید خانہ یاد آتا ہے جو کہ اس کے خیال میں بہتر تھا۔ راجہ عیش پسند اور بدانتظام تھا۔ اسی لیے وہ ہندوستان کی غلامی کے اسباب عوام کی بے اعتدالیوں اور حاکموں کے ظلم و استبداد میں تلاش کرتا ہے ۶۴۔

وہاں سے آگے بڑھتا ہے تو ہندو زائرین کا ایک قافلہ مصیبت کا مارا ملتا ہے مگر کوئی ان کی مدد کو نہیں پہنچتا۔ وہ ان کے ہم مشربوں کے رویے پر یہ تبصرہ کرکے آگے بڑھتا ہے: ''دیا دھرم نہیں تورے من میں ، کیا دیکھے تو مکھ درپن میں''۶۵

بعض مقامات پر لوگوں کا رویہ یہ ہے کہ اسے ایک غریب ہندوستانی مسافر سمجھ کر منت سماجت کے باوجود حلق تر کرنے کو پانی نہیں دیتے لیکن جب وہ انگریزی وضع بنائے آتا ہے تو سب پگھل جاتے ہیں۔ اس کے خیال میں یہی سبب

تھا کہ انگریزی فوج کے تلنگے سپاہی لوٹ مار کا بازار گرم کرتے کوئی کچھ نہ کہہ پاتا۔ کوئی مسافر محفوظ نہیں نہ اس کا مال و اسباب۔ محصول دوگنا ادا کرکے بھی بچنے کی صورت نہیں۔ کمبل پوش کے خیال میں یہ سب کچھ مقامی حکمرانوں اور راجاؤں کی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے کہ وہ انگریزوں کے محکوم ہوئے ورنہ اس ملک کی وسعت و لیاقت کے آگے انگریزوں کی فوجِ قلیل کا کیا بس چلتا؟ ۶۶ اپنے مشاہدات سے نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ؛ ہندوستانیوں کو جب کسی منصب پر فائز کیا جاتا تو اکثر کام میں چوری کرتے یا مال کھاتے لہٰذا رفتہ رفتہ محصولات وغیرہ کا انتظام انگریزوں کے سپرد کردیا گیا گویا اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارتے ہیں لیکن جب یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اب اگرچہ سب انتظامات ان انگریزوں ہی کے پاس ہیں اور پھر بھی راہی مسافر راستے میں محفوظ نہیں تو وہ یہ بھی کہنے میں باک نہیں کرتا ہے کہ جب تک انگریز مجرموں کو پکڑ کر سخت سزائیں نہیں دیں گے یہ بدانتظامی و بدامنی ختم نہ ہوگی۔ صرف قانون بنانے اور زبانی اعلان کرنے سے حالت بہتر نہیں ہوسکتی ۶۷۔

الغرض سفر کرتا ہوا بنارس پہنچتا ہے اور ایک بڑے اور عمدہ ہندوستانی شہر کی بدحالی کی صورت ملاحظہ کرکے وہ ملکِ انگلستان سے تفصیلی موازنہ پیش کرتا ہے۔ تقابل و موازنے کے مختلف مقامات پر اس کے طرزِ فکر کو بعض مبصرین اس کی سادہ لوحی اور ذہنی مرعوبیت قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس میں سیاسی و سماجی شعور کی کمی تھی ۶۸ لیکن ایک موقع جہاں وہ ہر دو ممالک کے انتظام و انصرام عمارات و بازار، رہن سہن، لباس اور پہناوے اور تعلیم و تعلم کے انتظام و اسباب کا بھرپور تقابلی تجزیہ بصورتِ تقریر پیش کرتا ہے۔ لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ جب انگریزوں کا ملک ایسا مناسب و دل پسند ہے تو وہ یہاں ہمارے ملک میں کیا کرنے آئے ہیں؟ کمبل پوش اس سوال کے جواب میں جو کچھ بھی کہتا ہے آج بھی عالمگیر معاشی سیاست کے مضمرات کے سمجھنے کو کافی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ؛

> ''اوس اقلیم کی وسعت پانچ سو کوس کی ہے ہمیشہ لوگوں کی اولاد بڑھتی ہے۔ اگر سب وہیں رہتے مکان رہنے کے لیے نہ ملتے۔ اس واسطے بعض اس شہر کو چھوڑ کر عربستان و ہندوستان وغیرہ میں جاتے ہیں۔ نقد اسباب جمع کرکے پھر اپنی ولایت آتے ہیں'' ۶۹۔

کمبل پوش کے تبصروں یا باندازِ دگر تنقید کے ایک سے زیادہ زاویے اس سفرنامے میں اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ ایک زاویہ تو اسے رنگِ فرنگ کی دلکشی کا اسیر ایک ایسا مردِ سیاح ثابت کرتا ہے جو اسے؛ ''ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا خوش کام ہوئے اور چل نکلے''، کا عامل ثابت کرتا ہے۔

دوسرے زاویے کو خاص طور پر انیسویں صدی کے عام ہندوستانی شخص کے سیاسی، معاشی اور تہذیبی منظرنامے میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ اسی تہذیبِ فرنگ کی چکاچوند کی محض عکس ریزی نے غالب جیسے مردِ خود آگاہ و فردِ زمانہ شناس کو آئینِ اکبری کی تدوینِ نو کی تائید سے باز رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاریخ کے جس مرحلے پر وفاداری شرطِ استواری کا قائل غالب کھینچنے اور روکنے کے درمیان امتیاز قائم کرنے کی کوشش میں مصروف ہے تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عام دانش و بصیرت کے ایک ہندوستانی فرد پر تہذیبِ نو کی اثر انگیزی کی نوعیت کیا رہی ہوگی؟

یوسف کمبل پوش بھی ایک ایسا ہی عام ہندوستانی شخص تھا جو غالب جیسی عبقری بصیرت اور تخلیقی قوت کا حامل نہیں

تھا۔ اس کے علاوہ اس کا سامنا محض کلکتہ میں ظاہر تہذیب فرنگ کی نمائندہ صورتوں سے نہیں تھا بلکہ وہ علم وعمل اور تیکنیک و ہنرمندی کی اس وقت تک ایک تکمیلی صورت کا براہِ راست مشاہدہ کر رہا تھا لہٰذا اس کے بیانات وتبصروں میں معصوم حیرت بھی جھلکتی ہے۔ یقینی تحسین و ستائش بھی نمایاں ہے اور جس قدر یہ کیفیات بڑھتی جاتی ہیں اسی قدر اس کی لفظیات کی زیریں سطح ایک کرب انگیز تبصرہ وموازنہ بھی پیش کرتی جاتی ہیں۔

بادی النظر میں یہ موازنہ ''عجائباتِ فرنگ'' سے بے جا مرعوبیت کا شاخسانہ ہوسکتا ہے لیکن غور کیا جائے تو کیا ان موازنوں سے دانشِ فرنگ کی یقینی اثبات کی خبر نہیں ملتی؟ خبر! جس کی ضرورت! کسی اور چیز سے بڑھ کر اس وقت ہندوستان اور اہلِ ہندوستان کو تھی! کہ بے خبری نے! علم سے، عمل سے اور خرد افروزی سے بے خبری ہی نے اہلِ ہند کی صدیوں پرانی تہذیبی برتری کے سامنے ''عجائباتِ فرنگ'' کی حیرت افزائی کا سوال کھڑا کر دیا تھا؟

حوالہ جات

۱۔ رحمٰن مذنب، مقدمہ، ''اردو ادب میں سفرنامہ''، انور سدید، لاہور، ۱۹۸۷ء ، ص۲

۲۔ فراقی، تحسین، ڈاکٹر مقدمہ، ''عجائباتِ فرنگ''، ۱۹۸۳ء ، لاہور ،ص ۴۷

۳۔ محمود، خالد، ''اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ''، ۲۰۱۱ء ، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ص ۳۶

۴۔ ایضاً، ص ڈاکٹر ۳۹

۵۔ فراقی ، ص ۲۹

۶۔ محمود، خالد، ''، ص ۸۹

۷۔ چغتائی، محمد اکرام، ڈاکٹر، دیباچہ ''عجائباتِ فرنگ'' مرتبہ تحسین فراقی ،ص۱۱

۸۔ فراقی، تحسین، ڈاکٹر ص۳۰۔۳۱

۹۔ ایضاً ، ص ۳۱

۱۰۔ ایضاً ، ص۳۲۔۳۳

۱۱۔ علی، ثروت، ڈاکٹر، مترجم ، '' مسیرِ طالبی'' تعارف: مرزا ابوطالب ، ترقی اردو بیورو ، دہلی، ص۹

۱۲۔ ایضاً ، ص ۲۷

۱۳۔ فراقی ، ص ۳۸

۱۴۔ احمد، مظہر، ڈاکٹر، مقدمہ ''تاریخ یوسفی المعروف بہ عجائباتِ فرنگ''، ص۱۴ ، ۲۰۱۲ء ، دہلی

۱۵۔ خان ، کریم ، نواب ، '' سیاحت نامۂ ہند'' مرتبہ عبادت بریلوی، ۱۹۸۲ء ، ادارہ ادب وتنقید، لاہور

۱۶۔ فراقی، ص ۴۷

۱۷۔ محمود، خالد، ص ۹۵

۱۸۔ فراقی ، ص ۴۷

۱۹۔ احمد، ڈاکٹر مظہر، ص ۲۸

۲۰۔ فراقی ، ص ۹۸

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً ، ص۱۰۲

۲۴۔ ایضاً ، ص۱۰۴

۲۵۔ ایضاً ، ص ۱۰۵

۲۶۔ ایضاً ، ص ۱۰۹

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً ، ص ۱۱۰

۲۹۔ ایضاً ، ص ۱۱۴

۳۰۔ ایضاً ، ص ۱۱۵

۳۱۔ ایضاً ، ص ۱۲۴

۳۲۔ ایضاً ، ص ۱۲۵

۳۳۔ ایضاً ، ص ۱۲۶

۳۴۔ ایضاً ، ص ۱۲۷

۳۵۔ ایضاً ، ص ۱۲۸

۳۶۔ ایضاً ، ص ۱۲۹ ۔ ۱۳۱

۳۷۔ ایضاً ، ص ۱۳۲۔ ۱۳۳

۳۸۔ ایضاً ، ص ۱۳۳

۳۹۔ ایضاً ، ص ۱۳۷

۴۰۔ ایضاً ، ص ۱۳۹

۴۱۔ ایضاً ، ص ۱۴۱

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ احمد، ڈاکٹر مظہر، ص ۴۰

۴۴۔ خالد، محمود ص ۱۰۲

۴۵۔ فراقی ، ص ۸۶

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ایضاً ، ص ۱۴۳۔۱۴۵

۴۸۔ ایضاً ، ص ۱۵۲

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ ایضاً ، ص ۱۵۳

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ ایضاً ، ص ۱۵۶

۵۴۔ ایضاً ، ص ۱۵۷

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ایضاً ، ص ۱۵۸۔۱۹۸

۵۷۔ ایضاً ، ص ۲۰۳

۵۸۔ ایضاً ، ص ۲۰۴۔۲۰۵

۵۹۔ ایضاً ، ص ۲۰۶

۶۰۔ ایضاً ، ص ۲۰۷

۶۱۔ ایضاً ، ص ۲۰۸

۶۲۔ ایضاً ، ص ۲۰۹

۶۳۔ ایضاً ، ص۲۱۵

۶۴۔ ایضاً

۶۵۔ ایضاً ، ص ۲۲۱

۶۶۔ ایضاً ، ص ۲۲۲

۶۷۔ ایضاً ، ص ۲۲۴

۶۸۔ خالد، ص ۱۰۳

۶۹۔ ایضاً ، ص ۲۳۲